صحافتی نثر کے ادبی زاویے: ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کا ادبی و لسانی تجزیہ

مقالہ برائے ایم فل (اُردو)

مقالہ نگار:

شمسہ کنول

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اپریل ۲۰۲۲ء

صحافتی نثر کے ادبی زاویے: ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کا ادبی ولسانی تجزیہ

مقالہ نگار

شمسہ کنول

یہ مقالہ

ایم فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا۔

فیکلٹی آف لینگویجز

(اُردو زبان وادب)

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اپریل ۲۰۲۲ء

© شمسہ کنول

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: صحافتی نثر کے ادبی زاویے: ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کا ادبی و لسانی تجزیہ

پیش کار: شمسہ کنول رجسٹریشن نمبر: M/U/S19/1743

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: اُردو زبان و ادب

ڈاکٹر بشریٰ پروین ____________________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ____________________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

بریگیڈیئر سید نادر علی ____________________

ڈائریکٹر جنرل

تاریخ: ____________

اقرارنامہ

میں شمسہ کنول حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے ایم-فل (اردو) سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر بشریٰ پروین کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لئے پیش نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئندہ پیش کیا جائے گا۔

____

شمسہ کنول

ایم فل (اُردو)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم	iii
اقرار نامہ	iv
فہرست ابواب	v
Abstract	viii
اظہارِ تشکر	ix
باب اول: تمہید اور بنیادی مباحث	۱
الف۔ تمہید	۱
i. موضوع کا تعارف	۱
ii. بیان مسئلہ	۲
iii. مقاصد تحقیق	۲
iv. تحقیقی سوالات	۲
v. نظری دائرہ کار	۳
vi. تحقیقی طریق کار	۳
vii. مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق	۴
viii. تحدید	۴
ix. پس منظری مطالعہ	۴
x. تحقیق کی اہمیت	۵
ب۔ کالم نگاری: بنیادی مباحث	۵

i۔ کالم سے کیا مراد ہے؟ ۵
ii۔ لفظی و اصلاحی مفہوم ۶
iii۔ کالم نگاری کی روایت ۱۰
ج۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے احوال و آثار ۲۲
i- پیدائش ۲۳
ii- تعلیم ۲۳
iii- ملازمت ۲۳
iv- صحافتی / ادبی زندگی کا آغاز ۲۳
v- عبدالودود قریشی کی اردو کالم نگاری ۲۵
حوالہ جات ۲۹
باب دوم: ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کا فکری تجزیہ ۳۱
i۔ سیاسی و سماجی موضوعات ۳۱
ii۔ تاریخی موضوعات ۴۴
iii۔ علمی و ادبی موضوعات ۵۰
iv۔ حالات حاضرہ پر لکھے گئے کالم ۵۸
حوالہ جات ۶۳
باب سوم: عبدالودود قریشی کے کالموں کا فنی، اسلوبی و لسانی تجزیہ ۶۶
الف۔ کالموں کا فنی تجزیہ ۶۶
i ۔ صحافتی زبان اور ادبی زبان کا فرق ۶۶
ii۔ فصاحت و بلاغت ۶۹
iii۔ جامعیت ۷۳
iv۔ دلچسپی کا عنصر ۷۷

v۔ اختصار پسندی ۸۱

ب۔ کالموں کا اسلوبی تجزیہ ۸۴

i۔ کالم کا اسلوب ۸۶

ii۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے اسلوب کے خصائص ۸۹

iii۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے اسلوب کی انفرادیت ۹۳

ج۔ کالموں کا لسانی تجزیہ ۹۵

حوالہ جات ۱۰۲

باب چہارم: مجموعی جائزہ، تحقیقی نتائج، سفارشات ۱۰۶

الف۔ مجموعی جائزہ ۱۰۶

ب۔ تحقیقی نتائج ۱۱۳

ج۔ سفارشات ۱۱۴

کتابیات ۱۱۶

ضمائم ۱۱۷

ABSTRACT

The title of my Research, Thesis for M.Phil Urdu is “The Literary Angeles of Journalistic Prose" An Analysis of Literary & Linguistics importance of Dr Abdul Wadood Qureshi Columns. Columns of “Qabel-e- Zikr" (The collection of Hundred columns) & some selected columns of "Daily Asian News" have been taken in this research.This book was published in 1994. The purpose of this research is to study of Dr Abdul Wadood Qureshi Columns writing & bring out thoughts & thinking of him about Political, Social, Educational, Literariyal, historical & Current Affairs related Columns. The columns of Dr Abdul Wadood Qureshi have unique identity. Dr Abdul Wadood Qureshi was "Consultant in Pakistan Newspaper", he was Resident editor " Daily The News, Tameer, Markez & Nai Baat", Group editor of Daily " Pakistan Islamabad" & The cheif editor of Daily" Jinnah". He is still writing Columns in the Daily " Asian News,& newspaper (Adrak e No) in a week. The basic purpose of my Research is to explain the Urdu Columns & shedding light on his intellectual expects. Analyze the uniqueness of his style & Linguistics analysis of his columns.His columns is full of easy & simple words which will make the reader's heart search & dedicated Wadood Qureshi's column urged the people of the society to benefit from full his education.Abdul Wadood Qureshi has dealt & severe blow to today's situation & has tired to awaken the Consciousness of human beings. This Research has been devided into four chapters. The First chapter is about the definitions, Tradition of Column & Introduction of Dr Abdul Wadood Qureshi & his under column. Second Chapter is Ideological dimensions of Dr Abdul Wadood Qureshi's column. This chapter devided into four sections like Political Social, historical, educational & Literariyal & Current Affairs related Columns. Third chapter is about Stylistic Analysis & Characteristics of Dr Abdul Wadood Qureshi's Column. Fourth chapter an overall analysis has been made .This chapter is based on a comprehensive study, results & conclusions, reaching a Summarize & complilling a few Suggestions at the end.

اظہار تشکر

میں مقالے کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی بے حد شکر گزار ہوں کہ اس کی عنایتوں کی بدولت میں اپنا کام بروقت پائے تکمیل تک پہنچا سکی۔ تحقیق میں موضوع کا انتخاب کرنا دشوار گزار عمل ہوتا ہے اس سلسلے میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کی صدر شعبہ اردو ڈاکٹر فوزیہ اسلم کی بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے میری ہر ممکن رہنمائی کی۔ میں اپنی نگران ڈاکٹر بشریٰ پروین کی بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے ابتدا سے اب تک ہر مرحلے پر میرا ساتھ دیا اور حوصلہ افزائی کی۔ اس کے ساتھ میں کوآرڈینیٹر ڈاکٹر صائمہ نذیر، ڈاکٹر عابد سیال، ڈاکٹر نعیم مظہر اور انتہائی واجب الاحترام اساتذہ کرام کی ممنون ہوں ان سب کے تعاون کی بدولت میں تحقیقی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکی ہوں۔

میں اپنے والدین اور سسرال کی بھی بے حد مشکور ہوں میں اپنی والدہ کی ممنون ہوں جنہوں نے ہر دعا میں مجھے شامل رکھا۔ سب کی دعاؤں اور حوصلہ افزائی کی بدولت میں تحقیق کے تمام مراحل طے کر پائی ہوں۔ اس کے ساتھ میں اپنے بہن بھائیوں کی بہت مشکور ہوں جنہوں نے تحقیقی کام کی انجام دہی کے لیے قیمتی آراء، مشورے اور رہنمائی فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ کام مکمل کرنے کی ترغیب دلائی۔ میں اپنی چھوٹی بہن صباء فردوس کی خصوصاً شکر گزار ہوں جس نے مقالے کی تکمیل میں میرا بھرپور ساتھ دیا۔

میں اپنے شریک حیات کا بھی دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے مجھے انتہائی پرسکون ماحول فراہم کیا۔ اس کے ساتھ میں اپنے دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جن کی حوصلہ افزائی، مشوروں اور رہنمائی کی بدولت دوران تحقیق مجھے حوصلہ ملتا رہا۔ اللہ پاک سب کو جزائے خیر دے (آمین)

شمسہ کنول

اسکالر ایم فل (اردو)

باب اول

تمہید اور بنیادی مباحث

(الف) تمہید

ا۔ موضوع کا تعارف INTRODUCTION

مجوزہ تحقیقی مقالہ صحافتی نثر کے ادبی زاویے: ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے کالموں کا ادبی اور لسانی تجزیہ ہے۔ کالم نگاری ایک ہر دل عزیز اور بے حد مؤثر صنف نثر ہے۔ کالم لکھنے کے لیے فکر و نظر، گہری بصیرت اور وسیع تجربے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کالم نویسی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتی ہے، چونکہ اسے صرف اخبارات اور رسائل کے لیے لکھا جاتا ہے، اس لیے اسے علم صحافت سے الگ کرنا ناممکن ہے۔ اردو کے نثری ادب میں کالم نگاری کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ ایک طرف خبریں جمع کرنا، لکھنا اور اخبارات کی ایڈیٹنگ صحافت میں شامل ہے تو دوسری طرف ادبی، علمی، سائنسی اور ہر طرح کے پیشہ ورانہ رسائل کی ایڈیٹنگ اور اشاعت کا کام بھی صحافتی کام ہے۔ صحافتی تحریروں میں خبر، مضامین (حالات حاضرہ سے متعلق) فیچر، کالم، اداریہ، مراسلہ، مکتوب کارٹون، اور خبری تصاویر شامل ہیں۔ صحافت کے دو پہلو ہیں۔

۱) الیکٹرانک میڈیا

۲) دی پریس یا پرنٹ میڈیا

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو الیکٹرانک میڈیا اور نشریاتی صحافت کہا جاتا ہے۔ چھپی ہوئی صحافت یا مطبوعہ صحافت کو پرنٹ میڈیا کہا جاتا ہے۔ اخبارات اور رسائل کا شمار پرنٹ میڈیا میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبد الودود قریشی اس حوالے سے چونکہ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں مہارت رکھنے کی وجہ سے اپنے کالموں میں تینوں زبانوں کی ادبی چاشنی اور لذت و تازگی قائم رکھتے ہیں۔ اپنے تخلیقی ذہن اور اسلوب کے زور پر مشکل سے مشکل بات کو آسانی سے کہہ دیتے ہیں۔ ان کے کالم عام فہم ہونے کی بناء پر عوامی سطح پر دلچسپی اور پسندیدگی سے پڑھے جاتے ہیں انہوں نے راولپنڈی اسلام آباد کے مختلف اخبارات میں کالم لکھے ہیں۔ صحافتی

شعبے میں ان کی شاندار خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے ۲۳ مارچ ۲۰۰۹ء کو انہیں اعلیٰ سول ایوارڈ ستارہ امتیاز سے نوازا۔ ان کی ادبی اور لسانی خدمات کا تجزیہ تحقیق کے متقاضی ہے۔

۲۔ بیانِ مسئلہ STATEMENT OF PROBLEM

اردو کالم نگاری کے حوالے سے اگر بات کی جائے ڈاکٹر عبد الودود قریشی کی تو ان کی کالم نگاری اس صنف میں ایک تازہ ہوا کے جھونکے کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے کالموں میں موجود ان کے فکری، فنی، ادبی اور اسلوبی خصائص کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چونکہ ان کی ملکی اور بین الاقوامی حالات و واقعات پر بھی گہری نظر رہتی ہے۔ اس لیے اس حوالے سے ان کے کالموں میں موجود سیاسی اور سماجی عناصر کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔

۳۔ مقاصد تحقیق RESEARCH OBJECTIVES

۱- صحافتی نثر کے حوالے سے کالم نگاری کی روایت کا جائزہ لینا۔

۲- ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے اردو کالموں کا تجزیہ کر کے ان کے فکری پہلوؤں پر روشنی ڈالنا۔

۳- ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے کالموں کے اسلوبی خصائص کا جائزہ لینا۔

۴- ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے اردو کالموں کا فنی حوالے سے تجزیہ کرنا۔

۴۔ تحقیقی سوالات RESEARCH QUESTION

مجوزہ تحقیق کے دوران مندرجہ ذیل سوالات سامنے رکھے گئے ہیں:

۱- صحافتی نثر کے حوالے سے اردو کالم نگاری کا پس منظر کیا ہے؟

۲- ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے کالموں کے فکری موضوعات کی نوعیت کیا ہے؟

۳- ڈاکٹر عبد الودود قریشی کی کالم نگاری کے فنی محاسن کیا ہیں؟

۴- ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے کالموں کی انفرادیت اور ادبی حیثیت کیا ہے؟

۵۔ نظری دائرہ THEORETICALFRAMEWORK

زیر نظر مقالے میں ڈاکٹر عبد الودود قریشی کی شخصیت اور ادبی ولسانی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کالم نگاری کی صنف بھی دیگر ادبی اصناف کی طرح اردو میں مغرب کی طرف سے آئی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ صنف اردو صحافت کا ایک اہم جزو بن گئی ہے۔ موضوع کے اعتبار سے ڈاکٹر عبد الودود قریشی کی کالم نگاری سیاست، معیشت، معاشرت، اخلاقیات، مذہب اور ترقی پسندی کے گرد گھومتی ہے۔ اس لیے یہ تحقیقی کاوش ان کے کالموں کا مطالعہ کر کے، کالموں کی ادبی و لسانی اہمیت کو اجاگر کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوئی ہے۔ مجوزہ تحقیق کے نظری دائرہ کار کے سلسلے میں دو کتب پیش نظر رہیں۔ ایک ڈاکٹر شفیق جالندھری کی کتاب "صحافت اور ابلاغ" اور دوسری محمد اسلم ڈوگر کی کتاب "فیچر، کالم اور تبصرہ"

"صحافت اور ابلاغ" میں ذیڈ اے سلہری لکھتے ہیں۔ "کالم ایک ایسی تحریر جسے ہر سوچنے سمجھنے والا شخص جس کے ذہن میں کہنے کو کچھ ہے لکھ سکتا ہے۔" ڈاکٹر مسکین علی حجازی کے مطابق "کسی مستقل عنوان کے تحت اخبار میں شائع ہونے والی تحریروں کو کالم کہتے ہیں"۔ محمد اسلم ڈوگر کی کتاب "فیچر کالم اور تبصرہ" میں ابن انشا لکھتے ہیں۔" میں کالم کو Essay سمجھتا ہوں جس طرح Essay ایک بے کراں چیز ہے کالم بھی ہے۔ اگر کالم نگاری کی بنیادی خصوصیات کا جائزہ لیا جائے تو ایک کالم نگار کو تاریخ، دور حاضر، علم و ادب، سیاسی اور سماجی حالات سے پوری طرح آگاہ ہونا ضروری ہے۔ الفاظ کا چناو، تحریر کا پر اثر ہونا، دلچسپی اور سب سے بڑھ کر اسلوب کالم کے قاری کو اپنی گرفت میں رکھتا ہے۔

۶۔ تحقیقی طریقہ کار RESEARCH METHODOLOGY

چونکہ زیر نظر تحقیق صحافتی نثر کے ادبی زاویے: ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے کالموں پر مشتمل ہے۔ لہذا ان کے کالموں کے موضوعات کا ادبی اور لسانی تجزیہ کرتے ہوئے، فکری و فنی جائزہ لیا گیا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے تحقیقی منہاج وہی ہے جو ادبی تحقیق میں رائج ہے یعنی اس کے لیے دستاویزی طرزِ تحقیق بروئے کار لایا گیا ہے جس کے مطابق درج ذیل امور پیشِ نظر رہے۔

ا۔ ڈاکٹر عبد الودود قریشی اور ان کے اہلِ خانہ سے ملاقات اور انٹرویو

۲۔ محاصر ادبی جرائد میں شائع ہونے والے تبصرے اور تجزیے

۳- سرکاری اور نجی کتب خانوں میں متعلقہ کتب سے استفادہ۔

۷۔ مجوّزہ موضوع پر ماقبل تحقیق WORKS ALREADY DONE

عصر حاضر میں عبد الودود قریشی کی شخصیت اپنی ادبی خدمات کی بدولت ادبی حلقے میں کافی مقبول ہے۔ صحافتی نثر کے ادبی زاویے: عبد الودود قریشی کے کالموں کا ادبی اور لسانی تجزیہ اپنی انفرادیت کے اعتبار سے ایسا موضوع ہے جس پر اس سے قبل کسی سکالر یا محقق نے کام نہیں کیا ہے۔ ان کی فکر، ان کی شخصیت اور ان کے فن کے حوالے سے کسی بھی جامعہ میں کسی بھی سطح کا کوئی کام نہیں ہوا۔ میری یہ تحقیق اپنی نوعیت کی پہلی تحقیق ہے۔ اردو زبان میں پرنٹ، الیکٹرانک اور آن لائن جرنلزم سے وابستہ رہے۔ ان کے کالم منفرد (الوہی)موضوعات کی وجہ سے بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ ان کے کالم صف اول کے اخبارات میں شائع ہوتے ہیں۔ مجوزہ تحقیق اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں کالم نگاری کا فنی اور فکری، ادبی و لسانی تجزیہ کر کے ان کو سامنے لایا گیا ہے۔ یہ تحقیق کالم نگاری میں عبد الودود قریشی کی شخصیت، مقام اور انفرادیت کو متعین کرنے میں معاون ثابت ہوئی ہے۔

۸۔ تحدید DELIMITATION

مجوزہ تحقیق صحافتی نثر کے ادبی زاویے: میں ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے اردو کالموں کو تحقیق کا موضوع بنایا گیا ہے۔ ان کا پہلا کالم مارچ ۱۹۹۱ میں چھپا۔ ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے مارچ ۱۹۹۱ سے جولائی ۱۹۹۱ تک شائع ہونے والے پہلے سو کالموں میں سے انتخاب کا ادبی اور لسانی تجزیہ کیا گیا ہے جو قابل ذکر کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں کالموں کی تعداد ۶۳ ہے۔

اس کے ساتھ ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے غیر مطبوعہ کالموں کو بھی شامل تحقیق کیا گیا لہذا ۲۹ جنوری ۲۰۱۹ء سے ۲۰ فروری ۲۰۲۰ء کے کالم شامل تحقیق ہیں جو روزنامہ "ایشین نیوز" میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

۹۔ پس منظری مطالعہ LITERATURE REVIEW

عبد الودود قریشی کی کتب پر کیے گئے تبصرے اور تحریر شدہ مضامین کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جدید اردو ادب میں اور خصوصی کالم نگاری میں فکری، ادبی، لسانی اور اسلوبی حوالے سے دستیاب کتب سے بھی معاونت حاصل کی گئی۔ موضوع سے متعلق کتب کو بھی شامل تحقیق کیا گیا ہے۔ عبد الودود قریشی کی

کتاب قابل ذکر (کالموں کا مجموعہ) سے مدد لی گئی ہے۔ محمد اسلم ڈوگر کی کتاب" فیچر کالم اور تبصرہ" اور ڈاکٹر شفیق جالندھری کی کتاب "صحافت اور ابلاغ" کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

۱۰۔ تحقیق کی اہمیت SIGNIFICANCE OF SSTUDY

اردو میں کالم نگاروں کی تفہیم ایک عرصے سے جاری ہے۔ مختلف کالم نگاروں نے اس ضمن میں اچھے کام کیے ہیں۔ اس مقالے کے ذریعے عبدالودود قریشی کے کالموں کا ادبی اور لسانی تجزیہ کرتے ہوئے فکری و فنی تجزیہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی ہفت روزہ، ادراک نو اور روزنامہ ایشین نیوز کے بانی ایڈیٹر ہیں۔ مجوزہ تحقیق اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں صحافتی نثر کے ادبی زاویے: ڈاکٹر عبدالودود قریشی کی کالم نگاری کا ادبی اور لسانی تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ تحقیق کالم نگاری میں ڈاکٹر عبدالودود قریشی کی انفرادیت اور ادبی مقام کو متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوئی ہے۔

(ب) کالم نگاری: بنیادی مباحث

۱) کالم کیا ہے؟

لفظ کالم وسیع المعانی ہے۔ کالم ایک انگریزی کا لفظ ہے جسے اردو زبان میں ویسے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ نور اللغات میں کالم کے جو معانی ہیں ان سے مراد

"صفحے کا حصہ (خصوصاً اخبار) کا خانہ، فوج کا دستہ"۱

> "A part of a newspaper or magazine which appears Regularly and deals with a Particular subject or is written by a Particular written.The grossip/ Financial column." 2

"رہنمائے صحافت" میں ڈاکٹر رشید احمد گریجہ کالم نگاری کے حوالے سے لکھتے ہیں

> "کالم کا لفظ انگریزی زبان سے جوں کا توں اردو میں لیا گیا ہے۔ انگریزی میں فوج کی تنظیم و تربیت میں چلنے کو کالم کہا جاتا ہے۔ اسطرح فوج اگر ایک قطار میں چل رہی ہو تو اسے بھی کالم کہا جاتا ہے۔"۳

کالم کے لغوی اور اصطلاحی معنی ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ صحافتی اصطلاح میں کالم کے الگ معنی بیان کیے گئے ہیں۔ کالم کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی الگ الگ تعریف کرنے سے ہی لفظ کالم کے صحیح معنوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۲) کالم کے لغوی معنی

معروف آکسفورڈ ڈکشنری آف انگلش کے مطابق کالم کے لغوی معنی درج ذیل ہیں

" Column= Vertical support of part of a building X V lydg Vertical division of a page etc." 4

فالونز انگلش اردو ڈکشنری میں کالم کے مندرجہ ذیل معنی ہیں

"کھم۔ تھم۔ کھمبا۔ ستون۔ گول ستون۔

لاٹھ۔ مینار۔ ریڑھ

1) Piller 2) Column 3) Upright Cylinder body. 5

کتابستان ڈکشنری اردو بازار لاہور میں کالم کے درج ذیل معنی ہیں۔

"جمع کرنے کے لیے ایک دوسرے کے اوپر رکھی ہوئی قیمتیں۔ پانچواں دستہ۔ دشمن کے پاسدار ملک کا دشمن۔ دشمنان وطن۔ وطن کے چھپے ہوئے دشمن۔ فوج کا پردہ یا دستہ۔ ستون کی سی کوئی شے۔column.Piller۔ اٹھتا ہوا دھواں۔ اخبار کا مستقل موضوع یا عنوان کا حصہ۔ خانہ۔ کالم۔ اخبار کا مستقل کالم۔ غدار۔ جاسوس۔ غدار ملت"٦

انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں کالم اور کالم نویسی کا مفہوم یوں واضح کیا گیا ہے۔

" Column, the author or editor of a regular,signed contribution to a newspaper, usually under a permanent title and devoted to comment on some aspect of the contemporary science.The column may be humorous or serious,on one subject or on life in general,frivolous in tone or heavily freighted with good advice on

manners,morals, or other subjects of interest.Essentially a column is a reflection of the writer 's individual tastes and point of view, whether it is concerned with women's hals, foreign policy ,or the stock market." ۷

آکسفورڈ گائیڈ ٹو انگلش لینگو یج میں کالم کے معنی یوں متعین کیے گئے ہیں۔

" Column = Round Piller thing shaped like this vertical devision of a page, printed matter is this,long narrow formation of troops etc.Columnist = Journalist who regularly writes a column of comments.". ۸

پروفیسر ڈاکٹر شفیق جالندھری شعبہ صحافت پنجاب یونیورسٹی لاہور کے استاد کالم کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں

" صحافت کی تقسیم اوپر سے نیچے کی طرف آٹھ حصوں میں کی جاتی ہے ۔ ان حصوں کی حیثیت چوڑائی میں کم اور اوپر کی طرف لمبائی میں زیادہ ہونے کی وجہ سے ستون اور کھمبے جیسی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے صفحہ کے یہ تقسیم شدہ حصے کالم کہلاتے ہیں۔"۹

خالد محمود عالی نے کالم کا مفہوم اس طرح واضح کیا ہے کہ

"کالم انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کے لغوی معنی ستون، کھمبا، مینار یا صحفہ کا حصہ کے ہیں۔ یہ قدیم فرانسیسی لفظ column اور لاطینی لفظ column سے مل کر بنا ہے۔"۱۰

ان تمام تعریفوں سے کالم کا جو مفہوم سامنے آتا ہے اسے مختصراً ہم اس طرح سے بیان کر سکتے ہیں۔

"کالم کسی عمارت کے ستون یا مینار کو کہا جا سکتا ہے۔ اخبار کے صحفے کے حصے اور فوج کی قطار کو بھی کالم کہا جاتا ہے۔"

کالم کے اصطلاحی معنی

اصطلاحی معنوں میں کالم ایک صحافتی اصطلاح ہے۔ اردو میں اخبار نویسی کی ابتدا کے ساتھ ہی کالم نگاری کی بھی ابتدا ہوئی۔ اخبار کو آٹھ مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر تقسیم شدہ حصے کو کالم کا نام دیا جاتا ہے۔

کالم ایک منفرد اسلوبی تحریر ہے جس میں لکھنے والا اپنے افکار و خیالات بیان کرتا ہے۔ اخبارات میں مختلف موضوعات کے کالم ہوتے ہیں۔ اخبارات میں لکھے جانے والے کالم کے موضوعات میں قانونی، طبی ، معاشی، سنجیدہ، علامتی، مشاہداتی، سیاحتی، ثقافتی، سماجی، سیاسی، طنزیہ اور مزاحیہ موضوع شامل ہیں۔

"فن صحافت "ڈاکٹر عبد السلام خورشید اپنی تحقیقی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"ہر اخبار میں کچھ مستقل عنوان ہوتے ہیں۔ بعض کے نزدیک مزاحیہ، دینی، طبی، سائنسی اور پس منظری مواد دیا جاتا ہے۔ موخر الذکر عنوانات کو صحافتی اصطلاح میں کالم یا خصوصی کالم کہتے ہیں اور لکھنے والے کے لیے نویس یا کالم نگار کی اصطلاح رائج ہے۔ کالم نویس چاہے تو اپنا اصلی نام دے دے چاہے تو قلمی نام اختیار کرے۔"١١

پروفیسر ڈاکٹر مسکین علی حجازی کے نزدیک کالم کی درج ذیل تعریف ہے

"کسی مستقل عنوان کے تحت اخبار یا رسالے میں باقاعدہ تحریر کو کالم کہتے ہیں۔"

خالد محمود عالی کالم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جب صحافتی زبان میں کالم کا نام لیا جائے تو کالم صحافت کی ایک خاص صنف سمجھی جاتی ہے۔ جسطرح اخبار میں خبر، اداریہ، فیچر اور کارٹون صحافت کی اصناف ہیں اسی طرح کالم بھی صحافت کی ایک صنف ہے اس کے تحریر کرنے والے کو کالم نویس کہتے ہیں۔"١٢

مختصراً طور پر ہم صحافتی اصطلاح میں مستقل طور پر کسی موضوع پر لکھنے والے کو کالم نگار اور لکھی جانے والی تحریر کو کالم کہیں گے۔ کالم کی اصطلاح وسیع اصطلاح ہے۔ کالم میں اسلوب بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

اسد اللہ خان غالب کے مطابق

"میں کالم نگاری کی اصل تعریف سے نابلد ہوں۔ اگر اسکی کوئی تعریف ہے تو میرے خیال میں قاری اس سے بخوبی آگاہ ہے۔ جو کالم پڑھنے کے لائق ہو اس کے بارے میں کسی سے بھی پوچھا جاسکتا ہے۔ کالم چھپ جانے سے کالم نگار نہیں کہلایا جاسکتا۔ تحریر کی پذیرائی ہی اصل معیار ہے۔"١٣

عابد حسین تہامی کے مطابق

"اخبار یا رسالے میں کسی مستقل عنوان کے تحت باقاعدہ وقفوں کے ساتھ کسی مخصوص جگہ پر خاص اسلوب میں نام کے ساتھ لکھی گئی تحریر کو کالم کہیں گے۔ یہ تحریر عام اور خاص موضوع پر لکھی جاسکتی ہے۔"۱۴

کالم نویسی میں ڈاکٹر شفیق صاحب نے مجیب الرحمان شامی، عبدالقادر حسن اور مجاہد منصوری کی کالم نگاری میں آراء درج کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

"کالم اخبارات و جرائد میں مستقل عنوان سے شائع ہونے والی وہ تحریریں جو بالخصوص رواں موضوعات پر مخصوص اسلوب میں اس طرح تحریر کی جاتی ہیں کہ اداریے اور مضمون والی سنجیدگی کی بجائے تفریح اور دلچسپی کا باعث ہوں۔"۱۵

مختلف کالم نگاروں کی آراء کے لحاظ سے کالم مستقل عنوان کے تحت چھاپے جانے والی ایسی تحریر کا نام ہے جو زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں مختلف انداز میں روشنی ڈالے۔ افسانہ، ڈرامہ، انشائیہ کی طرح کالم بھی ایک صنف ہے جو اپنے فنی تقاضے رکھتا ہے۔ خبر کی طرح کالم صرف ہنگامی صورتحال کے مطابق نہیں ہوتا لیکن خبروں کی بنیاد پر لکھے جانے والے کالم باسی خبر کے ساتھ ہی اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں بالخصوص سیاست کے موضوع پر لکھے جانے والے کالم جلد ہی ہنگامی طور پر اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔ جس طرح مولانا ظفر علی خان کی ہنگامی نوعیت کی حامل شاعری آج کے دور میں اپنی حیثیت کھو چکی ہے لیکن پاکستان کی تاریخ کے حوالے سے کام کرنے والوں کی شاعری بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اسی طرح سیاسی تاریخ میں سیاست کے موضوع پر لکھے جانے والے کالموں کو بھی خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے وہی کالم ہمیشہ زندہ رہتے ہیں جو طنز و مزاح اور شگستہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اپنے قلم سے ایک کالم نگار معاشرے میں ہونے والے ناہمواریوں کو ہموار کرنے کے لئے کوشش کرتا رہتا ہے۔ اخبارات میں سرخیوں اور سنسنی خیز عنوانات کے ذریعے کالم نگار لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتے ہیں۔

کالم کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ کالم میں موضوع کو منتخب کرنا، اس موضوع کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنا، مطالعہ کرنا، مشاہدہ کرنا اور غور و فکر کرنا بہت ضروری ہے لیکن اخبارات میں مختلف کالم نگار اپنی اپنی

آراء کا اظہار کرتے ہیں۔ اردو میں کالم کی تاریخ کے حوالے سے کوئی باقاعدہ آغاز دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اگر روزنامہ جنگ کو ہی دیکھیں تو اس میں مجیب الرحمان شامی، عبدالقادر حسن اور ارشاد احمد حقانی منہ دکھانے کے خیالات میں تضاد ہونے کے باوجود اخبار میں ضرور جگہ رکھتے ہیں۔

اسلوب کسی بھی شخصیت کا عکس ہوتا ہے۔ کالم نگار اپنے مزاج کے مطابق کالم لکھتا ہے۔ تجزیاتی انداز رکھنے والے کالم نگار کا انداز بھی تجزیاتی جبکہ ہنسی مزاح انداز کے مالک کالم نگار کا انداز شگفتہ ہو گا۔

۳)کالم نگاری کی روایت

اردو میں کالم کی تاریخ کے حوالے سے کوئی باقاعدہ آغاز دیکھنے کو نہیں ملتا۔ امریکی ریاست میں وال پول کے جریدہ "ویکلی میوزیم" میں اٹھارہویں صدی کے آخری عشرے میں ایک مزاحیہ کالم شائع کیا جاتا تھا۔ جو نثر اور نظم دونوں طرح کی اصناف میں چھاپا جاتا تھا۔ آج کی نسبت اس دور میں کالم کا تصور کچھ مختلف تھا۔ لیکن اس دور کے تحریری مواد کے ساتھ لکھنے والے کا نام بھی لکھا جاتا تھا اور اسے اخبار میں خاص جگہ بھی دی جاتی تھی۔ جوزف ڈینسی کے نام سے شائع ہونے والا کالم "ویکلی میوزیم" میں چھاپا جاتا تھا. کالم نگاری کی روایت اردو میں انگریزی کے برعکس اتنی ہی قدیم ہے جتنا قدیم اردو اخبار ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ابتدائی اخبارات میں اردو میں کالم کی اشاعت اپنی حالیہ شکل وصورت میں نہیں کی جاتی تھی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو میں اخبار نویسی کے ابتدائی ادوار میں جو بھی خبریں اخبارات میں چھپتی تھیں ان میں تبصرہ زیادہ اور خبریں کم ہوتی تھیں۔ خبر اس طرح سے لکھی جاتی تھی کہ پڑھنے والے کو نہ صرف وہ واقعہ اچھی طرح سے سمجھ آجاتا بلکہ وہ بیان کردہ خبر کے سیاق وسباق سے بھی پوری طرح آگاہ ہو جاتا تھا اور خبر میں دلچسپی لیتے ہوئے پوری طرح سے مستفید بھی ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ خبر صرف ایک خبر نہیں بلکہ اس خبر میں خبر لکھنے والے کی اپنی آراء اور تبصرہ بھی شامل کیا جاتا تھا۔ اسی طرح خبر کا پس وپیش منظر قارئین میں دلچسپی کی وجہ بنتا تھا۔

اکثر محققین اس بات پر اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ

"اردو کا پہلا اخبار جام جہاں نما تھا جو ۱۸۲۲ء کو کلکتہ سے جاری ہوا تھا۔"۱۶

مولانا امداد صابری کے مطابق

"برصغیر پاک وہند میں اردو صحافت کا آغاز انیسویں صدی میں "جام جہاں نما" سے ہوا۔ اردو کا یہ پہلا اخبار ۱۶ مئی ۱۸۲۲ء کو کلکتہ سے جاری ہوا۔ اس اخبار کا کچھ عرصے تک دو تہائی حصہ فارسی میں اور ایک تہائی اردو میں نکلا۔"۱۷

فارسی اس عہد کے تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان تھی، اور اخبار پڑھنے کا شوق بھی بہت ہی کم تھا۔ اسی لئے کچھ ہی عرصے میں فارسی زبان میں اخبار شائع کیا جانے لگا لیکن پھر بعد میں اس کا اجراء اردو میں ہوا۔ ابتدا میں اخبار فارسی زبان میں لکھا جاتا تھا۔ ۱۸۲۰ء میں اخبار اردو زبان میں لکھا جانے لگا۔ کچھ ہی عرصے بعد لوگوں میں اخبار بینی کا شوق نہ ہونے کی وجہ سے اخبار بند ہو گیا اور پھر دوبارہ جاری کیا گیا جو کہ ۱۸۲۸ تک شائع کیا جاتا رہا۔ اس عہد کے اخبارات میں چھپنے والی خبروں کو دیکھا جائے تو ہمیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کی خبر آج کی خبر کی طرح صرف ایک رپورٹ نہیں تھی بلکہ اس میں باضابطہ خبر نگاری ملتی ہے۔ خبروں میں زبان اور اسلوب کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔ اس عہد کی خبر اس طرح شائع کی جاتی تھی جس طرح موجودہ دور میں کالم لکھے جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ابتدائی ادوار کے اخبارات میں خبروں کے رائج کردہ طریقوں سے ہی آج کے دور کے کالم کا جنم ہوا ہے۔

اس حوالے سے عبد الاسلام رشید نے یکم اکتوبر ۱۸۲۵ء کے "جامِ جہاں نما" کی درج ذیل خبروں کا حوالہ دیا

"ستی کی خبر: نیپال کے کاغذ سے سمجھا گیا کہ بھیم سین، جو اس راج کا مختار تھا۔ اس کا بھتیجا وزیر سینی، پالپا کی طرف گیا تھا، وہ مر گیا۔ دونوں جورواں اس کی لاش کے ساتھ جل گئیں اور جلا دیا۔ ایک انوکھی خبر یہ بھی لکھی ہے کہ نیپال میں ایک شخص کی جورو نے اپنے کل کی لاج چھوڑ کر کسی غیر کے ساتھ ہیل میل کیا تھا۔ جب اس کے شوہر نے جانا کہ عورت بد چلن ہو گئی ہے تو اس کے یار کو مار ڈالا۔ وہ عورت کہ برسوں سے اپنے یار کی محبت کی آگ میں جل بھن رہی تھی۔ اس کی لاش سے لپٹ کر ایسے بے دھڑک آگ میں گھسی کہ راکھ کے سوا اس کے بدن سے کچھ نشان نہ رہا۔۔۔ اخبار کے کاغذ میں دیکھا گیا کہ برہان پور کے ملک میں دکن کے علاقے میں ایک برہمن رہتا تھا اتفاق سے وہ ایک دن کسی کام کے واسطے جنگل میں جا نکلا۔ اس کو اکیلا دیکھ کر ایک باگھ، کئی دن کا بھوکا، جو اپنی تھل میں پڑا ہوا تھا،

ایک بار گی بجلی کی طرح تڑپ کر اس دکھیا برہمن پر گرا۔ حقیقت میں چنڈال غریب برہمن کے خون کا پیاسا تھا، اپنا کام کر گیا۔ یہ خبر برہمن کے گھر پہنچی، لوگ لاش کو جنگل میں اٹھا لائے۔ اس کی بڈھی جورو نے بہتر برس کی عمر میں، کہ ہاتھ پاؤں ہلانے کی طاقت نہیں، کیا ہی مردانہ کام کیا کہ اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ جل کو راکھ ہوگئی۔ جس وقت وہ ستی ہونے چلی، خلق اللہ کا ہجوم تھا، اس نے پکار کر یہ کہا کہ اس برس مہنگائی بڑھے گی اور بیماری بہت بڑھے گی۔".۱۸

"جام جہاں نما" میں بھی موجودہ دور کے کالموں میں لکھی جانے والی خبروں کے ساتھ اپنی رائے اور ذاتی تبصرے پیش کیے جاتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کے مطابق "جام جہاں نما" میں ایک اور خبر کچھ اس طرح سے بیان کی گئی ہے

"بہت دنوں سے یہ خبر مشہور تھی کہ انگلستان میں ایک جہاز تیار ہوتا تھا، کہ جس طرح ایک ناؤ پچھلے برس کلکتہ میں آئیں کہ دھواں کے زور سے چڑھاؤ اتار پر بے تکلف دریا میں چلی آتی ہے، وہ جہاز اسی طرح بے کھٹکے، بحر محیط میں آمد و شد کرے گا اور اس جہاز کے بنانے والے نے انگلینڈ سے کلکتے پچھتر دن کی مدت بعد ٹھہرائی ہے۔ کس واسطے کہ وہ جہاز پال سے علاقہ نہیں رکھتا، جو ہوا کا محتاج ہو۔ اس کو آندھی، طوفان، موسم، غیر موسم سب برابر ہے۔ بارے پچھلے ہفتے وہ جہاز ولایت سے آیا۔ جس دن وہ کلکتہ پہنچا دریا کے کنارے ایک انبوہ جمع تھا۔ ہفت اقلیم کے سیاح اکٹھے ہوئے تھے کسی واسطے کہ اگلے زمانے میں کسی نے جہاز کا نام نہیں سنا تھا۔"۱۹

درج بالا خبروں کا تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ظاہری طور پر تو یہ "جام جہاں نما" اردو کے پہلے اخبار کی خبریں معلوم ہوتی ہیں مگر ان تمام خبروں کا اسلوب بیان، انداز بیان، زبان، طرز، تحریر میں شگفتگی اور "خبر نگار" کے تبصرے اور ذاتی رائے سے یہ تو کسی کالم کا ہی ایک حصہ دکھائی دیتا ہے۔ ابتدائی خبر میں ہندوؤں کے معاشرے میں پائی جانے والی رسم ستی کو خوب مرچ مسالے لگا کر پیش کیا گیا ہے اور خبر ایک نہیں ہے بلکہ دو خبریں ہیں۔ یوں نظر آتا ہے کہ رسم ستی پر کئی طرح سے ایک مضمون یا ایک کالم لکھا گیا ہے۔ خبر نگار نے ستی ہوتی عورتوں کے انجام کو ایک ڈرامائی انداز میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حیرت کا

مظاہرہ بھی کیا ہے۔ اس کے بر عکس دوسری خبر میں انجن کے بھاپ سے چلنے والے جہاز کو ہندوستان میں بڑے ڈرامائی اور دلچسپ انداز میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایک بار پڑھنا شروع کر دیا جائے تو اس وقت تک نہیں چھوڑا جا سکتا جب تک پورا نہ پڑھ لیا جائے۔ کالم میں بھی کچھ ایسا ہی انداز اپنایا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں بھی روزمرہ کی خبروں کو ہی بنیاد بنا کر کالم لکھے جا رہے ہیں لیکن کالم نگار ان روزنامہ خبروں پر تبصرے اور اپنی ذاتی رائے پیش کر کے نہایت خوبصورت، دلچسپ اور منفرد انداز اپناتا ہے کہ قاری خبر سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ تحریر سے بھی لطف اندوز ہوتا نظر آتا ہے۔ بعض کالم پڑھتے ہوئے دلچسپی اس حد تک بڑھ جاتی ہے اور انسان ایسا محو ہوتا ہے کہ دل کرتا ہے کہ ایسے کالم بار بار پڑھے جائیں۔ خبروں کو کالم تک پہنچانے کا ایسا انداز نہ صرف "جام جہاں نما" بلکہ اس کے بعد کے اخبارات میں شائع کردہ خبروں میں پایا جاتا رہا۔ دراصل ابتدائی اخبارات میں کسی طرح کے بھی کالم، فیچر یا اداریے کی اشاعت نہیں ہوتی تھی بلکہ خبریں ہی شائع کی جاتی تھیں۔ اخبار کا ایڈیٹر خبر کو ہی کچھ اس انداز سے لکھ لیتا تھا کہ اس خبر میں ہی اپنی ذاتی رائے اور تبصرے کو بھی شامل کر لیتا اس طرح سے وہ خبر مزید دلچسپی کا باعث بنتی۔ وہی اخبار قارئین میں سب سے زیادہ مقبول ہوتا جس کی خبریں زیادہ دلچسپ ہوتیں۔

فیچر، کالم اور تبصرے کے مصنف محمد اسلم ڈوگر کالم کے ارتقاء کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> "برصغیر میں اگر ہم کالم کے ارتقاء کا جائزہ لیں تو یہ ہمیں کئی صدیوں سے گزرتا ہوا نظر آتا ہے۔ انیسویں صدی میں ہمیں کالم کی دو صورتیں نظر آتیں ہیں۔ آغاز میں یہ خبری کالم تھا تاہم ان خبروں میں سے اکثر خبروں میں مزاحیہ کالم کی سی شگفتگی ملتی ہے۔ دوسرے دور میں کالم کالمی مضامین کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس کا آغاز "اودھ پنچ" نے کیا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں کالم نے ایک باقاعدہ صورت اختیار کی اور پھر یہ باقاعدہ ایک مستقل عنوان کے ساتھ اور کالم نویس کے نام کے ساتھ شائع ہونے لگا۔" ۲۰

ان تمام مثالوں پر روشنی ڈالنے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابتدائی دور کی خبروں سے موجودہ دور میں اردو کالم کا ارتقاء ہوا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کالموں میں بھی نکھار اور جدت دیکھنے کو ملی اور موجودہ اردو کالم ایک منزل تک پہنچا۔

"شفیق جالندھری" "جام جہاں نما" میں لکھتے ہیں

"کالم کا وجود اخبار کی خبروں اور مضامین کے اسلوب بیان، مواد اور فکر و خیال میں یوں موجود تھا جیسے جسم انسانی کے رگ وریشے میں روح و جاں"۔ ۲۱

دوسرا بڑا اور اہم اخبار "جام جہاں نما" کے بعد مولوی محمد باقر کا "دہلی اردو اخبار" کے نام سے تھا۔ یہ اخبار ۱۸۳۷ء میں شروع کیا گیا، دہلی کا پہلا اخبار بھی یہی تھا۔ مولانا حسین آزاد اور کئی دوسرے محققین "دہلی اردو اخبار" کو ہی اردو کا اخبار مانتے ہیں جبکہ "جام جہاں نما" تحقیق شدہ اردو کا پہلا اخبار تھا۔ خبروں کے انداز "جام جہان نما" اور "دہلی اردو اخبار" دونوں میں ایک جیسے ہی تھے۔

محمد عتیق صدیقی اپنی کتاب میں اس حوالے سے بتانے کے لیے نمونہ پیش کر رہے ہیں

"سنا گیا ہے کہ ان دنوں گز قاسم خان میں مرزا نوشہ شاہ کے مکان سے اکبر نامی قمار پکڑے گئے، مثل ہاشم خان وغیرہ کے جو سابق بڑی علتوں میں دورے تک سپرد ہوئے تھے بڑا قمار ہوتا تھا۔ لیکن بسبب رعب و کثرت مردان کے یا کسی طرح سے کوئی تھانیدار دست انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ اب تھوڑے دن ہوئے یہ تھانیدار قوم سے سید اور بہت جری سنا جاتا ہے مقرر ہوا ہے۔۔۔ یہ مرزا نوشہ ایک شاعر، نامی رئیس زادہ نواب شمس الدین قاتل ولیم فریزر کے قرابت قریہ میں سے ہے۔ یقین ہے کہ تھانیدار کے پاس بہت رئیسوں کی سعی و سفارش بھی آئی لیکن اس نے دیانت کو کام فرمایا۔ سب کو گرفتار کیا عدالت سے جرمانہ علی القدر مراتب ہوا۔ مرزا پر سو روپے ادا نہ کریں تو چار مہینے قید۔ لیکن ان تھانیدار کی خدا خیر کرے۔ دیانت کو تو کام فرمایا انھوں نے لیکن اس علاقے میں بہت رشتے دار متمول اس رئیس کے ہیں ، کچھ تعجب نہیں کہ وقت بے وقت چوٹ پھوٹ کریں اور یہ دیانت ان کی وبال جان ہو۔ حکام ایسے تھانیدار کو چاہیے کہ بہت عزیز رکھیں۔ ایسا آدمی کمیاب ہوتا ہے۔"۲۲

مذکورہ بالا خبر بہت ہی عام فہم زبان میں ہے اس خبر کا انداز عام خبر کے انداز جیسا ہے۔ خبر نگار نے تبصرے اور ذاتی رائے کے ذریعے خبر کو کالم یا مضمون کا رنگ دے کر دلچسپ بنا دیا ہے۔ تھانیدار کی جرات و بہادری کا ذکر اور اس کی شاندار انداز سے تعریف بھی کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ حکومت کو اس عظیم شخصیت کی حفاظت اور قدر کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ ۱۴ جنوری ۱۹۵۰ کو لاہور سے شروع ہونے والے اخبار کا نام

"کوہ نور" تھا۔ اس اخبار کو جاری کرنے والے کا نام "منشی ہر سکھ رائے" تھا۔ پنجاب کا پہلا اردو اخبار ہونے کی وجہ سے یہ اخبار خاصی اہمیت کا حامل ہے۔

ڈاکٹر مسکین علی حجازی کے مطابق

"کوہ نور" پنجاب کا پہلا اخبار تھا"۲۳

یہ اخبار ۵۵ سال تک شائع کیا جاتا رہا اور پنجاب سے تعلق رکھنے والے بہت سے صحافی اس اخبار سے منسلک رہے۔ "کوہ نور" میں شائع کی جانے والی خبریں جذباتی انداز کی حامل ہوتیں۔

محمد عتیق صدیقی "کوہ نور" کے حوالے سے لکھتے ہیں

"بجلی کی ڈاک کا تار لاہور تک بخوبی لگ گیا اور پرانے توپ خانے کے ایک مکان میں اس کے کارخانے کا دفتر قائم ہوا ہے۔ غالب ہے کہ صبح شام میں اجراء پاوے۔ اور پشاور تک بعد برسات کے جاری ہو گا۔ سب سامان مہیا ہے۔ تار کے انبار ڈاکخانے میں لگ رہے ہیں اور پنجاب میں بڑی دھوم ہو رہی ہے کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کوئی کہتا ہے کہ اس تار کے اوپر تھالی چلے گی کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ تھالی دوڑے گی مگر جب دیکھتے ہیں کہ دریا کے اوپر پہنچ کر تار کناروں پر زمین میں داب دیا گیا ہے اور دریا کے اندر پانی چلا گیا ہے اور دوسرے کنارے پر پھر نکل کر کڑے پر چڑھا دیا گیا ہے تو اس کی عقل خبط ہو جاتی ہے کہ یہاں تھالی تار پر کیوں کر چلے گی۔"۲۴

اس دور کے باقی تمام اخبارات بھی اسی طرح کی خبروں سے بھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس عہد کے اہم ترین اخبارات میں "جام جہاں نما" ۱۸۲۲ء، "دہلی اردو اخبار" ۱۸۳۷ء، سید محمد خان، سر سید احمد خان کے بھائی کا اخبار، "سید الاخبار" ۱۸۳۷ء، کریم الدین دہلی کالج کے پروفیسر کا اخبار "کریم الاخبار" ۱۸۴۵ء، پہلا اردو اخبار لاہور سے "کوہ نور" ۱۸۵۰ء، لکھنؤ کے اخبارات "سحر سامری"، طلسم لکھنؤ شمار کیے جاتے تھے۔

اس عہد کا مروج شدہ انداز تمام اخبارات میں تقریباً ایک جیسا ہی تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے کے یہ تمام اخبارات تھے۔ ان تمام اخبارات میں کالم اپنی موجودہ شکل میں کہیں بھی نظر نہیں آتے۔ اپنے بھائی کے انتقال کے بعد سر سید احمد خان نے "سید الاخبار" کا تمام تر انتظام ۱۸۴۶ء میں خود سنبھالا تو سر سید احمد خاں نے علمی، اخلاقی، مذہبی اور تاریخی کالم کی طرح کے مضامین اس اخبار میں لکھے اور یہی مضامین بعد میں سر

سید احمد خاں کی تصنیف "تہذیب الاخلاق" اور سائنٹفک سوسائٹی میں لکھے جانے والے مضامین ہی کی طرح کالم کی نسبت اداریے کے زیادہ قریب پائے جانے لگے۔ جنگ آزادی کے بعد پہلے کے تمام اخبارات کو تقریباً بند کر دیا گیا۔ جو اخبارات بند نہیں کیے گئے تھے ان کو بھی بالکل بند کر کے رکھ دیا گیا۔ منشی نول کشور نے ۱۸۵۸ء میں "اودھ اخبار" کے ذریعے اردو صحافت کی ڈوبتی ناؤ کو سنبھالا دیا اور اسے ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ تقریباً نوے سال تک یہ اخبار منشی نول کشور کی تین نسلیں شائع کرتیں رہیں۔ اردو میں جدید صحافت کو پروان چڑھانے میں "اودھ اخبار" نے اہم کردار ادا کیا۔ "اودھ اخبار" میں مذہبی، علمی، ادبی، معاشرتی، فلسفیانہ اور معاشی ہر طرح کے موضوع شامل ہوتے تھے۔ انہیں کو ابتدائی کالم بھی کہہ سکتے ہیں۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کے شائع کردہ مضامین کو "اودھ اخبار" میں ظرافت کے مستقل عنوان سے چھپنے والے کالم بھی کہا جا سکتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق لکھنؤ میں سرشار کے رسوم و رواج اور معاشرتی زندگی پر لکھی جانے والی دلچسپ تحریریں ہی بعد میں "فسانہ آزاد" کی شکل میں سامنے آئیں۔ عبدالعلیم شرر کم عمری میں "اودھ اخبار" میں ہی مضامین لکھتے رہے جو بعد میں بہت مشہور ہوئے۔ سرسید احمد خاں نے "اودھ اخبار کی" بارہا تعریف کی۔ اردو کے ابتدائی زمانے میں "اودھ اخبار" کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ بین الاقوامی سطح پر پذیرائی ملنے والا پہلا اردو اخبار "اودھ اخبار" ہے۔ پنچ اخباروں کا دور "اودھ اخبار" کا دور ہی تصور کیا جاتا ہے. مزاحیہ اخبار نویسی کی ہندوستان میں اپنی ایک تاریخ دیکھنے کو ملتی ہے۔ رام پور سے شائع کردہ اخبار "مذاق" کو ۱۸۵۵ء میں اردو مزاحیہ صحافت کا پہلا اخبار قرار دیا گیا۔ ہندوستان کا پہلا پنچ اخبار "مدارس پن" کے نام سے ۱۸۵۹ء کو شائع ہوا۔ بمبئی سے حرمت "الاخبار" ۱۸۷۶ء میں اور "روہیل کھنڈ پنچ" مراد آباد سے، اور پٹنہ سے "بہار پنچ" شائع کیے گئے اس کے ایک سال بعد ۱۸۷۷ء میں مزاحیہ صحافت میں سب سے بڑا اخبار "اودھ پنچ" کی اشاعت ہوئی۔ ہر طرح سے معیاری اور بڑا اخبار "اودھ پنچ" تھا۔ اخبار بینی کا شوق رکھنے والوں میں سے بڑی تعداد میں لوگ نہ صرف اسے پڑھتے بلکہ "اودھ پنچ" میں شامل طنز و مزاح کو بھی بہت زیادہ پسند کرتے۔ "اودھ پنچ" میں مستقل عنوانات پر لکھنے والوں میں مرزا مچھو بیگ (اصل نام محمد مرتضی تھا)، اکبر آلہ آبادی، پنڈت رتن سرشاد، منشی جوار لال پرشاد، نواب سید محمد آزاد جیسے نثر نگار اور شعراء شامل تھے۔ لندن کے مشہور مزاحیہ اخبار "لندن پنچ" سے ہی "اودھ پنچ" کا رواج پڑا۔ اکبر آلہ آبادی "لندن پنچ" سے زیادہ بہتر اخبار کا درجہ "اودھ پنچ" کو دیتے۔ ان کے مطابق

"ہر چند کہ طرز پنچ لندن بے شبہ ہے دل پسند و پر فن لیکن وہ نقش اولین ہے نسبت اس سے اسے نہیں ہے ماشاءاللہ یہ نقش ثانی بہتر ہے یہ صورت و معانی" ۲۵

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بیس سال بعد "اودھ پنچ" اخبار جاری کیا گیا۔ اس دور میں ہندوستان کے مسلمانوں پر کیے جانے والے ظلم و ستم سے تمام مسلم قوم شدید صدمے کا شکار تھی۔ ان مشکل حالات میں "اودھ پنچ" اخبار نے قوم کو صدمے سے نکالنے کے لیے طنز و مزاح کی فضا قائم کر کے رنج والم کو کم کرنے کی کوشش کی۔ یہ کوشش کامیاب ثابت ہوئی۔ "اودھ پنچ" میں چھاپے جانے والے طنزیہ اور مزاحیہ فقرے ہر عام و خاص کی زباں پر رہتے۔ اس عہد کے اخبار، بالخصوص "اودھ پنچ" اور سر سید احمد خاں کے اخبار حکومتی پالیسیوں پر کھلے عام تنقید کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اس کے ساتھ مغربی معاشرے اور تعلیم کی تعریف کرنا ان کا اہم وصف ہوتا تھا۔ جبکہ "اودھ پنچ" اخبار دیسی اور انگریزی حکمرانوں پر کھلے عام نکتہ چینی کرتا۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی مخالفت بھی کی جاتی۔ ہندوستان میں مغربی تعلیم کو نئے انداز سے مشرقی انداز کے رہن سہن اور رسم و رواج کو جاہلانہ قرار دینے والے ایک مضمون میں ظفر علی خاں "اودھ پنچ" میں لکھتے ہیں

" یہ اوندھی کھوپڑی والے پرانی روشنی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ سمجھے بیٹھے ہیں کہ پیری مریدی کا گورکھ دھندا صرف ہمارے ہی یہاں ہے۔ نہیں! نہیں روشنی والے بھی بیعت کرتے ہیں۔ ہم نے کانوں سے باتفصیل وہ مدارج سنے ہیں جو ایک پیر پادری اور ان کے مرید سے طے ہوئے، شیک ہینڈ کرتا ہوں کہ تجاویز نہ کروں گا، ایک قدم بھی اسی راستے سے جو راستہ میرے ریفارمز مجھے بتلائے (چاہے وہ جہنم کا راستہ ہو) نہ واسطہ رکھوں گا، دین، ایمان اور کل مذہبی خیالات سے کسی طرح۔ مقدم سمجھوں گا خوشنودی یورپ والوں کی خدا کی خوشنودی پر تعمیل کروں گا اس کے احکام کی احکام الٰہی کو چھوڑ کر، نہ فرق کروں گا حلال و حرام میں قولاً ہو یا فعلاً نہ گرد پھٹکوں گا ان پرانے ڈھکوسلوں کے جن کا فرض یا واجب یا سنت یا مستحب کہتے ہیں۔۔۔ جھٹلاوں گا حدیثوں کو۔۔۔ باطل سمجھوں گا اس کلام کو نسل کو نادان اللہ کا کلام سمجھتے ہیں۔ حقیر سمجھوں گا ان لوگوں کو جو پابند ہوں گے مذہب کے۔۔۔ پلٹادوں گا قرآن اور حدیث کے معنی کو۔۔۔ موتوں کا سیدھا کھڑے ہو کر اور پاک سمجھوں گا ان چھینٹوں کو جو زمین سے اڑ کر منہ پر پڑیں۔ دریغ نہ کروں گا بنیاد اسلام کے کھدوانے میں

چاہے مسجد ہو۔ منہ چوموں گا کتوں کا طاہر جان کر۔۔۔ شراب پیوں گا رمضان کے مہینے میں فرض کر کے۔ کلمہ پڑھوں گا اہل یورپ کے اسلام کے بدلے۔ گیند یا کرکٹ کھیلوں گا نماز کے بدلے۔ تبرک سمجھوں گا اس کھانے کو جو جھوٹا ہو کسی انگریز کا۔ لندن شریف کی زیارت کروں گا حج کے بدلے۔ اے مرے ریفارمر اگر لڑکھڑائیں میرے قدم ان راہوں پر چلتے ہوئے تو انجام میرا ہو ساتھ پرانی روشنی والوں کے اور نہ نصیب ہو مجھ کو اس پاک چیز کا جو بکسوں میں بند ہو کر ولایت سے آئیں ہیں۔"۔۲۶

"اودھ پنچ" میں اس طرح ہی کی اور بے شمار تحریریں اخبار میں شامل رہی ہیں۔ منشی سجاد حسین جو کہ اودھ پنچ اخبار کے بانی تھے اور ایک لمبے عرصے تک مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے سے بھی کام کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے اس دور میں جب مسلمان انگریزوں کے غلام تھے اور حکمرانوں پر تنقید کرنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ انھوں نے اپنی بات کو طنز و مزاح کی صورت میں پیش کیا۔ اس سے اردو زبان و صحافت اور اردو ادب مستفید ہوئے۔

اردو میں با قاعدہ کالم نگاری کا آغاز اسی سے ہوا۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس حوالے سے رقمطراز ہیں "اردو صحافت میں اودھ پنچ کی اہمیت کی تین وجوہ ہیں، پہلی تو یہ کہ "اودھ پنچ" نہ صرف اردو کا پہلا مزاحیہ اخبار تھا بلکہ اس نے پہلی بار اردو میں مغربی طنز و مزاح کے طریقوں کا بھی استعمال کیا۔ دوسری یہ کہ سیاسی اور مجلسی مسائل پر بھرپور طنز کا آغاز "اودھ پنچ" ہی سے ہوا۔ "اودھ پنچ" سے پہلے معض سرسری سی نکتہ چینی یا ایک حد تک تنقید ضرور موجود ہوتی تھی لیکن ظرافت کے بیشتر عناصر کا افسوس ناک حد تک فقدان تھا۔ تیسری یہ کہ "اودھ پنچ" وہ پہلا اخبار تھا کہ جس نے کسی خاص واقعہ کے متعلق اپنی رائے دینے یا کسی خبر کے مضحکہ خیز پہلو کو نمایاں کر کے پیش کرنے یا محض حریف کو ذلیل کرنے کے لیے کارٹون کا استعمال بھی کیا۔"۲۷

"اودھ پنچ" کو اس عہد کی اخباری دنیا میں سنجیدگی سے زیادہ پذیرائی حاصل نہیں کرنے دی تاہم طنز و مزاح میں "اودھ پنچ" کی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تحریریں با مقصد اور اصلاح کے لیے ہوتی تھیں ۔ قاری ان تحریروں سے بہت کچھ سیکھتا تھا "اودھ پنچ " کو اردو کالم نگاری کی تاریخ میں امتیازی مقام حاصل ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا کے مطابق

> "اودھ پنچ" اپنی طرز کا پہلا اخبار تھا اور اس کی مقبولیت کا اندازہ محض اس بات سے ممکن ہے کہ یہ اخبار باقاعدہ ایک تحریک کا پیش رو ثابت ہوا اور دیکھتے دیکھتے ہندوستان بھر میں پنچی اخبارات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اس سلسلے کے بے شمار اخبارات میں سے کسی بھی اخبار کو وہ مقبولیت نصیب نہ ہو سکی جو "اودھ پنچ" کو حاصل تھی۔ جہاں تک صحافت میں طنز و مزاح کا تعلق ہے یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ "اودھ پنچ" کو اس شعبے میں پہلے سنگ میل کا درجہ حاصل ہے۔"۲۸

"علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" سر سید احمد خاں کا پہلا اخبار، مارچ ۱۸۸۶ کو شائع کیا گیا۔ اس اخبار میں سر سید مستقل عنوان کے تحت ہر طرح کے شعبہ ہائے زندگی سے متعلق عمدہ انداز کے مضامین لکھتے اور کئی انگریزی کتب کے اردو تراجم بھی کرتے۔ آپ کے لکھے جانے والے مضامین آنے والے ادوار میں سنجیدہ عنوانات پر لکھنے والے کالم نگاروں کے لیے مفید ثابت ہوئے۔ سر سید احمد خاں کے مضامین موجودہ دور کے سنجیدہ سیاسی کالم کی ابتدائی شکل تھے۔ سر سید احمد خاں کے دوسرے اخبار "تہذیب الاخلاق" کا انگریزی نام "دی ممڈن سوشل ریفارمر" رکھا گیا تھا۔ تہذیب الاخلاق کا مقصد سماجی اصلاح تھی۔ سر سید احمد خاں کے مضامین نے اردو کالم نگاری کی جڑوں کو مضبوط کیا۔ مولانا عبد الکلام آزاد ایک عالم دین اور اعلیٰ پائے کے سیاست دان بھی تھے۔ ان کے نزدیک اخبار نویس ایماندار، سچا اور غیر جانبدار ہونا چاہیے۔ ۱۹۱۲ء میں مولانا آزاد نے مشہور اخبار "الہلال" جاری کیا۔ سنجیدہ صحافت میں پہلا باقاعدہ عنوان مولانا آزاد کے کالم کو سمجھا جاتا۔ "ہمدرد" اخبار مولانا محمد علی جوہر کا ہے۔ یہ ۱۹۱۳ء میں دہلی سے جاری ہوا۔ مولانا محمد علی جوہر نے صحافت میں غیر جانبدارانہ رویے کی بدولت پذیرائی حاصل کی۔ "کشکول" "ہمدرد" کے کالم کا عنوان تھا۔ اخباری کالم میں مولانا عبد المجید سالک شائستہ طنز و مزاح سے بھرپور کالم لکھتے تھے۔ آپ نے ہر موضوع پر لکھا اور پورے انصاف کے ساتھ لکھا۔ چراغ حسن حسرت دوسری بڑی شخصیت ہیں حسرت نے اردو کالم نگاری کی روایت کو پختہ کیا۔ یا زیادہ مزاحیہ کالم لکھتے اور طنز بہت ہی کم کرتے۔ اردو میں کالم نگاری کی روایت کو مزید آگے بڑھانے میں مجید لاہوری اور حاجی لق لق کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ حاجی لق لق کا اصل نام عطا محمد تھا اور ۱۹۳۲ء سے کالم لکھنے شروع کیے۔ مولانا مجید نے قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے کالم لکھنے شروع کیے۔ ان

کے کالم سادہ، عام فہم اور عوام کی آواز ہوتے۔ عوام کی فکر اور سوچ کے مطابق کالم لکھتے تھے۔ اس عہد کے ایک اور مقبول کالم نگار شوکت تھانوی تھے۔ آپ نے عوام کو درپیش مسائل کی عکاسی کی۔ ایک بڑا نام امجد اسلام امجد بھی ہے جو شاعر ہونے کے ساتھ عمدہ کالم نگار بھی تھے۔ ۱۹۸۴ء میں "چشم تماشہ "کے عنوان کے تحت "امروز" سے کالم نگاری کا آغاز کیا۔ پھر روزنامہ جناح، روزنامہ ایکسپریس اور روزنامہ جنگ میں اپنے کالم لکھتے رہے ہیں۔ ایک اور مقبول کالم نگار، ڈرامہ نگار، شاعر اور ادیب عطا الحق قاسمی بھی ہیں۔ آپ کے کالم طنز و مزاح اور ظرافت پر مبنی ہیں۔ کامیاب اور مقبول کالم نگار جاوید چوہدری نے کالم نگاری کا آغاز ۱۹۹۲ء میں "خبریں" سے کیا۔ روزنامہ جنگ اور ایکسپریس میں زیرو پوائنٹ کے عنوان کے تحت مستقل عنوان پر کالم لکھتے رہے ہیں۔ ایک اور اہم کالم نگار ہارون رشید ناتمام کے مستقل عنوان سے "۹۲نیوز" میں کالم لکھتے ہیں۔ مشہور ادیب، ناول نگار، ٹی وی میزبان اور ڈرامہ نگار مستنصر حسین تارڑ نے روزنامہ "مشرق" سے کالم نگاری کا آغا زکیا۔ "کاروان سرائے" کے نام سے 92 سے مستقل عنوان سے باقاعدہ طور پر کالم لکھ رہے ہیں۔

روزنامہ "نوائے وقت" کا آغاز ۲۳مارچ ۱۹۴۰ کو ہوا۔ پہلے یہ ہفت روزہ تھا بعد میں روزنامہ میں تبدیل ہو گیا۔ روزنامہ "نوائے وقت" پاکستان کے شہروں اسلام آباد، لاہور، کراچی اور ملتان سے شائع ہونے والا اردو زبان کا ایک اہم روزنامہ ہے۔ اس اخبار کی بنیاد حمید نظامی نے رکھی۔

روزنامہ "جنگ" کی پاکستان میں اشاعت کا آغاز ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۷ کو ہوا۔ روزنامہ جنگ میر خلیل الرحمان نے ۱۹۳۹ میں دہلی سے شروع کیا۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ جنگ کی خبریں چھاپتے. اخبار کا نام "جنگ" بھی اسی لیے رکھا گیا ان دنوں جنگ عظیم کی خبروں سے لوگوں کو بہت زیادہ دلچسپی تھی اس میں ملک کے اچھے لکھنے والوں کی تحریریں شامل ہوتی تھیں مثلاً مجید لاہوری، شوکت تھانوی، ابراہیم جلیس، ابن انشاء، پیر علی محمد راشدی، احمد ندیم قاسمی، منو بھائی، انعام درانی اور رئیس امروہوی۔

۱۹۵۹ء میں روزنامہ جنگ کا راولپنڈی سے اور ۱۹۸۱ء میں لاہور سے اجراء ہوا۔

ادارہ جنگ، عوام، ہفت روزہ میگ، دی نیوز، ہفت روزہ اخبار جہاں اور ڈیلی نیوز بھی شائع کرتا تھا۔ کراچی سے شائع ہونے والے اخباروں میں "حریت" کافی مقبول ہوا اس کے مدیر فخر ماتری تھے اور اس کی اشاعت ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔

روزنامہ "پاکستان" ۱۹۹۰ء میں شائع ہونا شروع ہوا۔ ذمہ دارانہ صحافت کا آمین یہ اخبار اب تک شائع ہو رہا ہے۔

۶ نومبر ۱۹۹۰ کو "نوائے وقت" پبلیکیشنز کے زیر اہتمام ایک ہفت روزہ جریدے کا اجراء ہوا جس کا نام "فیملی میگزین" تھا اس جریدے کے مدیر اعلیٰ مجید نظامی، مدیر علی سفیان آفاقی اور مدیر معاون سید صفدر تھے۔

۳ ستمبر ۱۹۹۸ کو کراچی سے روزنامہ "ایکسپریس" کی اشاعت کا آغاز ہوا پہلے مدیر نیّر علوی تھے۔ اس کے کالم نگاروں میں عباس عطر، جاوید چودھری، زاہدہ حنا، عبدالقادر حسن، امجد اسلام امجد، حسن ظہیر، ظہیر اختر بیدری، رئیس فاطمہ اور اوریا مقبول جان شامل ہیں۔ "ایکسپریس" پاکستان کا واحد قومی روزنامہ ہے جو ۱۱ شہروں کراچی، لاہور، اسلام آباد، ملتان، فیصل آباد، پشاور، گوجرانوالہ، رحیم یار خان، کوئٹہ اور سکھر سے بیک وقت شائع ہوتا ہے۔ اس کے گروپ ایڈیٹر عباس اطہر ہیں جبکہ ایڈیٹر طاہر نجمی ہیں۔ انگریزی اخبار میں "ڈان" سب سے بڑا اخبار ہے یہ تقسیم ہندوپاک سے پہلے ۱۹۴۱ء میں ہفت روزہ کی حیثیت سے شائع ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۴۲ء میں روزنامہ ہو گیا۔ اس کی بنیاد قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی میں رکھی تھی اسے مسلمانوں اور مسلم لیگ کی آواز کہا جاتا تھا۔ روزنامہ ڈان اب بھی پاکستان کے کئی شہروں سے شائع ہوتا ہے۔

روزنامہ "خبریں" پاکستان کے مختلف شہروں سے شائع ہونے والا اردو زبان کا اخبار ہے. ضیاء شاہد اخبار کے مالک اور چیف ایڈیٹر ہیں۔

یکم اکتوبر ۲۰۰۲ء سے پاکستان کے مقبول ترین نیوز چینل "جیو ٹی وی" نے اپنی نشریات کا باقاعدہ آغاز کیا اس ٹیلی ویژن چینل کے روح رواں شکیل الرحمان تھے۔ اس کے بعد پرائیویٹ ٹی وی چینلوں کی لائن لگ گئی۔ اس وقت "جیو نیوز"، "جیو تیز"، "جیو سپر" (سپورٹس)، "جیو انٹرٹینمنٹ"، "جیو کہانی"، "اے آر وائی نیوز"، "اے آر وائی ڈیجیٹل"، "اے آر وائی میوزک"، "اے ٹی وی"، "سچ ٹی وی وی"، "خیبر ٹی وی"، "کے ٹو ٹی وی"، "دنیا نیوز"، "ایکسپریس ٹی وی"، "ایکسپریس نیوز"، "روز ٹی وی"، "سماء نیوز" وغیرہ درجنوں چینلز ہیں۔

کچھ کالم طنزومزاح سے بھرپور ہوتے ہیں۔ طنزومزاح کا آغاز اردو میں "اودھ پنچ" سے ہوا۔ لکھنؤ سے ""۱۸۷۷ء میں "اودھ پنچ" کا پرچہ منشی سجاد حسین کی زیر نگرانی شائع کیا جاتا تھا۔ اودھ پنچ کے بعد فسانہ آزاد

سے اردو ادب میں مزاح نگاری کا آغاز کیا گیا۔ مولانا محمد علی جوہر، عبدالمجید سالک، مولانا ظفر علی خاں، چراغ حسن حسرت، اور عبد الماجد دریا آبادی نے طنز و مزاح پر مبنی کالم نگاری کی روایت کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ بیسویں صدی میں مولانا ظفر علی خان، خواجہ حسن نظامی، چراغ حسن حسرت جبکہ قیام پاکستان کے بعد کے کالم نگاروں میں چراغ حسن حسرت، عبدالمجید سالک، مجید لاہوری مجیب الرحمان شامی اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ شامل ہیں۔ موجودہ کالم نگاری کے میدان میں اہم نام مشہور شاعر اور کالم نگار منیر نیازی، ڈاکٹر اجمل نیازی، ظہیر کاشمیری، زاہدہ حنا، عبد القادر حسن، روف کلاسرا، زاہد مسعود، اظہر سہیل، پروفیسر محمد سلیم، صفدر محمود، اوریا مقبول جان، نذیر ناجی، کشور ناہید، قدسیہ ممتاز، سلیم صافی، حسن نثار اور محمد اظہار الحق کے ساتھ اور بھی کئی نام ہیں جو موجودہ دور میں اپنے عمدہ اور انوکھے انداز کی بدولت قاری کی دلچسپی اور اردو ادب اور صحافت کو عمدہ انداز میں سیر اب کر رہے ہیں۔ ان کی شگفتہ اور معیاری تحریروں کے ذریعے کالم نگاری کو چار چاند لگ گئے۔ اردو صحافت کو کامیاب بنانے، جدت لانے اور ترقی کے دھانے تک پہنچانے میں برزگوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ ان تمام حضرات کی کالمی اور غیر کالمی نوعیت کی تحریروں نے اردو زبان کی گراں قدر خدمت کے ساتھ ساتھ اردو کالم میں جدت لا کر مذید بہتر صورت اور واضح شکل میں پیش کیا۔

اردو میں کالم نگاری کی روایت کے جائزے سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ دور میں بھی ماضی کے کالم نگاروں کی طرح قابل قدر ادیب اور کالم نگار موجود ہیں جو اردو کالم نگاری کو ترقی کے بام عروج تک پہنچانے میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ ان کی کوششوں کی بدولت ہم موجودہ دور میں کالم نگاری کی بہترین منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

ج) ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے احوال و آثار

ڈاکٹر عبد الودود قریشی پاکستان کی مشہور و معروف ادبی شخصیت ہیں۔ یہ دور حاضر کے سینئر صحافی، ایڈیٹر، مصنف، کالم نگار اور تجزیہ کار ہیں۔ ۴۱ سال سے ملک کی قومی اخبارات سے منسلک ہیں۔ انہوں نے ملکی حالات، عالمی معاملات، سماجی امور اور معاشی مسائل پر اپنے تجزیوں سے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ انہیں کئی سماجی اور انسانی حقوق کی تنظیموں سے منسلک رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ سپریم کورٹ آف پاکستان اسلام آباد نے بھی خواتین کے حقوق اور ونی کے خلاف ان کی تحریری کاوشوں کو سراہا ہے۔ صحافت

کے شعبے میں ان کی شاندار خدمات کے اعتراف میں صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان آصف علی زرداری نے ۲۰۰۹ء میں "ستارہ امتیاز" کا اعزاز عطا کیا۔

ڈاکٹر عبد الودود قریشی ۲۱ فروری ۱۹۵۲ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ممتاز عالم دین تھے۔ ان کے والد کا نام الحاج عبد الغفور قریشی تھا۔ انہوں نے علمی گھرانے میں پرورش پائی۔

ابتدائی تعلیم راولپنڈی کے سکولوں سے حاصل کی۔ انہوں نے میٹرک فیض الاسلام ہائی سکول نمبر ۲ راولپنڈی سے پاس کیا۔ ایف اے کا امتحان گورڈن کالج کے ریگولر طالبعلم کی حیثیت سے تھانہ سی ڈویژن کی حوالات میں گرفتاری کے دوران دیا۔ بی اے کا امتحان گورڈن کالج کے ریگولر طالبعلم کی حیثیت سے راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل میں نظر بندی کے دوران دیا جہاں پروفیسر وثیق احمد اکیلے طالبعلم کے ممتحن تھے۔ ایم اے اردو پنجاب یونیورسٹی سے کیا اور ایم فل اردو Northern University سے کیا۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد سے ۲۰۱۸ء میں حاصل کی۔

ان کی ازدواجی زندگی کا آغاز نومبر ۱۹۹۱ء میں ہوا اور اس وقت راولپنڈی میں رہائش پذیر تھے۔ ان کے دو بیٹے ہیں۔

ان کی تصانیف میں "جیل کے واقعات"، "قابل ذکر"، "حج عالم"، "انشاء پردازی اور نسیم حجازی"، "قندیل فکر"، "قومیت کی تشکیل" اور اصلاح تلفظ شامل ہیں۔

عبد الودود قریشی نے اپنی عملی اور پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز صحافت کے شعبہ سے کیا۔ روزنامہ تعمیر راولپنڈی میں کئی سال بطور چیف رپورٹر رہے۔ روزنامہ مرکز کے چیف رپورٹر اور اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ راولپنڈی شہر کی تنظیم شہری دفاع کے ڈپٹی چیف وارڈن بھی رہے ہیں۔ صدر مرکزی انجمن شہریاں راولپنڈی ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں صوبہ سرحد کی گورنمنٹ کے میڈیا کونسلٹنٹ رہے ہیں۔ ۱۶ اگست ۲۰۱۴ء کو نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی اسلام آباد کے ڈپٹی لیڈر رہے ہیں۔

صحافتی اور ادبی زندگی کا آغاز

ادبی صحافت سے مراد ہے معاشرے میں پیش آنے والے مسائل یا واقعے پر حقیقت، یا ایک خاص طریقے سے، غیر جانبداری سے تنقید و تحقیق کرنا۔

کالج سے فراغت کے بعد عبد الودود قریشی نے صحافت کو پیشہ اپناتے ہوئے ۱۲ جنوری ۱۹۷۸ء کو ہفت روزہ روش راولپنڈی بطور ایڈیٹر پبلشر شائع کیا۔

بین الاقوامی اعلیٰ شخصیت کے ٹی وی اور اخبارات کے لیے سینکڑوں انٹرویوز کر چکے ہیں۔ روزنامہ تعمیر کے علاوہ روزنامہ خبریں کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر، روزنامہ پاکستان اسلام آباد کے گروپ ایڈیٹر اور روزنامہ جناح کے بانی ایڈیٹر رہے جبکہ ہفت روزہ روش اور ادراک نو کے ایڈیٹر ہیں اور روزنامہ نئی بات کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر رہے ہیں۔ انہیں قومی اور بین الاقوامی تنظیموں سے کئی ایوارڈ دیئے گئے۔ ۱۹۹۴ء میں مشیر حکومت صوبہ سرحد ممبر سی پی این ای، سول ڈیفنس کے ایڈیشنل چیف وارڈن، مرکزی فلم سنسر بورڈ کے رکن راولپنڈی، سنٹرل جیل کے غیر سرکاری معائنہ کار، مرکزی انجمن شہریان کے صدر، سماجی خدمات کے حوالے سے اپنی ذات میں انجمن ہیں۔ سپریم کورٹ نے بھی ان کی خدمات کو سراہا ہے ان کی شاندار کارکردگی اور خدمات کی بدولت حکومت پاکستان نے ۲۳ مارچ ۲۰۰۹ء کو انہیں اعلیٰ سول ایوارڈ ستارہ امتیاز عطا کیا۔ ۷۵ سالوں میں صرف ۲۲ جرنلسٹوں کو ستارہ امتیاز ملا۔ یہ بائیسویں صحافی ہیں جنہیں اس اعزاز سے نوازا گیا ان کے بعد اب تک کسی اور صحافی کو یہ ایوارڈ نہیں ملا۔

ایڈیٹر، سحر صدیقی عبد الودو قریشی کی تصنیف " قابل ذکر " کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> " قابل ذکر "۔۔۔ ان کی شخصیت کے ان رنگوں کی بھرپور، موثر، معتبر اور خوبصورت گواہی ہے ۔ الفاظ کا انتخاب، بیان کا انداز اور اظہار کا سلیقہ کچھ ایسا منفرد اور اوریجنل ہے کہ بے ساختہ مسرت انگیز حیرت ہوتی ہے۔ اخباری کالموں کو آپ نے جس سنجیدگی، اخلاص اور معروضیت کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ نہ صرف ان کی شخصیت کے مستقبل میں مزید اجاگر اور قابل ذکر ہونے کی دلیل ہے بلکہ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آنے والے دنوں میں جب مورخ ہمارے عہد کی تاریخ مرتب کرے گا تو جو اخباری کالم اس کے نزدیک قابل ذکر ہوں گے۔۔۔ ان میں سے " قابل ذکر " کو نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔ عبد الودود قریشی کے ان کالموں میں ان کا دل و دماغ ہر محب وطن کا دل دماغ بن کر سمٹ آیا ہے گویا " قابل ذکر " عکس نہیں آئینہ ہے۔"۲۹

آپ کی کتاب "حج عالم" مناسک حج کا بیان ہی نہیں ایک ایسی روداد دلپذیر ہے جس کے مطالعے سے وجود کے ایوانوں میں روشنی بڑھ جاتی ہے اور روح معرفت حق کی طرف مائل بہ پرواز جاتی ہے یہ مناسک حج کی روایتی کتاب نہیں بلکہ حج کے ارکان کی تاریخ کی تفہیم کے ضمن میں انتہائی منفرد اور اس حوالے سے لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے۔ ایسی کتابیں اس وقت معرض تخلیق میں آتی ہیں جب اللہ تعالی اپنی بیش بہا رحمتوں کے درانسانوں پر کھول کر ان کے لئے بخشش کا سامان کرنا چاہتے ہیں۔ "قومیت کی تشکیل" ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے طرز احساس اور صداقت خیال کا اظہاریہ ہے۔ اس کتاب میں آپ نے قومیت کے بنیادی اور اساسی اجزائے ترکیبی کی گرہ کشائی بھی کی ہے اور اس کے جمالیاتی اور مصنوعی آہنگ سے بھی صرف نظر نہیں کیا۔

"نسیم حجازی کی انشاء پردازی" عبدالودود قریشی کے اسلوب نگارش اور شخصیت کے بارے میں اس سے پہلے اس معیار کا کوئی مواد دستیاب نہیں۔ آپ انشاء پردازی کے ضمن میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے نسیم حجازی کے ادبی اور تحقیقی کام کے اہم اور بنیادی پہلو "انشاء پردازی" پر تحقیق کر کے ادبی سرمائے میں قابل قدر اضافہ کیاہے. انھوں نے مشرق و مغرب کے ادب پر کڑی نگاہ رکھ کر کئی نسلوں کی ذہنی تربیت کی۔

ڈاکٹر عبدالودود قریشی کی اردو کالم نگاری

عبدالودو قریشی اسلام آباد سے شائع ہونے والے پہلے روزنامے میں کالم لکھتے ہیں۔ ان کے کالم اسلام آباد کے چراغ تلے روشنی پیدا کرنے والے کالم ہیں۔ اور وہ لوگ جو ملک کے وفاقی دارالحکومت سے دور بیٹھے ہیں اس شہر کے مزاج اور اس شہر کے رجحانات کا پتہ ان کالموں سے چلاتے رہتے ہیں۔ وہ تحریر و تقریر کے مرد میدان ہیں۔ ایک طویل عرصے سے کالم و قرطاس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں۔ ایک ایسے دور میں علم و حکمت کے چراغ جلا رہے ہیں جب صحافت ایک مشن سے ہٹ کر دولت، شہرت اور طاقت حاصل کرنے کا استعارہ بن چکی ہے انہوں نے خود کو صحافت کی آلائشوں سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ یہ اپنے کالموں میں بڑے سادہ لفظوں کو عالمانہ سانچے میں ڈھال دیتے ہیں، ان لفظوں کی گہرائی میں ایک جہان پوشیدہ ہے۔ ان کی شگفتہ تحریر اور انداز کا کرشمہ ہے کہ پڑھنے والا ان کی تحریر کے سحر میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے۔ زبان و بیان پہ انہیں مکمل عبور حاصل ہے۔ ان کا اسلوب نگارش سادہ اور دلنشین ہے۔ جو کہنا چاہتے ہیں اسے خوش اسلوبی سے اپنی

تحریر میں پرونے پر قادر ہیں اور اس حسن خیال کا اظہار اپنے ہر کالم میں کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی مختلف اخبارات اور رسائل میں کالم لکھتے رہے ہیں۔ ان کے کالموں کے اسلوب میں شگفتگی ہوتی ہے۔ انہوں نے مختلف عنوانات سے کالم لکھے اور لکھ بھی رہے ہیں۔ ان کی تحریروں میں خلوص کی جھلک نظر آتی ہے۔ ظالموں سے نفرت اور مظلوموں سے محبت نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ ان کے کالموں میں سماج اور زندگی سے کمٹمنٹ ہوتی ہے کالم کے ذریعے اپنے دل کی بات اپنی تحریروں میں بیان کرتے ہیں۔ رجائیت، جامعیت ، مقصدیت، اختصار، سلاست اور معنویت عبدالودود قریشی کی اردو کالم نگاری کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ عوامی سطح پر ان کے کالم جامع اور مختصر، عام فہم اور آسان زبان، مختلف شعبہ ہائے زندگی کے موضوعات، عوامی دلچسپی کی بناء پر بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ سچی، بے باک اور کھری بات لکھتے ہیں۔ خبر سازی میں مہارت تامہ کا دعویٰ تو نہیں کرتے لیکن حیرت ہے کہ وہ جس ارتباط اور تیزی سے فوراً اطلاع پہنچاتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ کہنے والے کے دل میں پہلے سے وہ سب موجود تھا جو اس نے کہا۔

ان کا شمار ان کالم نگاروں میں ہوتا ہے جو خود سے زیادہ دوسروں کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ان کی سوچ برابری اور انصاف کے دائرے میں گھومتی ہے۔ اپنی سوچ کو عملی جامہ اپنے کالموں میں الفاظ کی صورت میں پہناتے ہیں۔ ان کی سوچ صرف کسی ایک پہلو تک ہی محدود نہیں ہوتی بلکہ وہ کسی بھی موضوع پر گہرائی میں جا کر بات کرتے ہیں اور کھلے دل سے لکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اچھائی اور برائی سب کے لیے برابر ہونی چاہیے۔

"ہم باراں دوزخ

ہمہ یاراں بہشت"

یہی وجہ ہے کہ ان کے لکھے جانے والے کالموں میں ظالموں کے خلاف نفرت ہوتی ہے اور مظلوموں کے لیے آواز اٹھاتے ہیں۔ انہوں نے ہر خاص و عام شخص، معاشرے میں پروان چڑھتی ہر برائی کے خلاف آواز اٹھائی۔ ان کی سوچ ہر حال میں آزادی کی طلبگار رہے خواہ وہ آزادی شریعت کے حوالے سے ہو یا صحافیوں کی آزادی ہو یا پھر بھارت کے کشمیر پر کیے جانے والے مظالم کی داستان ہو۔ ان کے اسلوب کی خصوصیات میں سچائی، خلوص نیت کی جھلک، الفاظ کا چناؤ، دلکشی، عام فہم ہونے کی وجہ سے عوام میں مقبولیت، انوکھا پن،

اختصار، تحریر کا پر اثر ہونا، جامعیت اور تکلف سے پرہیز شامل ہیں۔ انہوں نے ہر دور میں اس دور کی زبان کے مطابق کالم لکھے ہیں۔ عبدالودود قریشی کے کالم پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان کا ماضی ہمارے سامنے ہو۔ ان کی تحریر کو یہ وصف حاصل ہے کہ قاری اس کے سحر میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ان کے کالم قارئین کو مثبت سوچ، امید اور حوصلے کا درس دیتے ہیں۔ عام آدمی کو بھی تمام ضروریاتِ زندگی کی آسانیاں فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالودود قریشی نے ادب پڑھ رکھا ہے، چاہے وہ اردو کلاسک، فارسی ہو یا پھر انگریزی، اس سب کا استعمال کرنا وہ بخوبی جانتے ہیں اور اسی چیز نے ان کے کالموں کا حسن اور اثر پذیری بڑھا دی ہے۔ ادب سے محبت کی بناء پر نئے نئے موضوعات پر لکھتے ہیں۔ یہ ایک منفرد کالم نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں ان کی تحریروں کی انفرادیت اور دلچسپی قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ ان کے کالموں میں ہمیں نئی فکر، سوچ اور نئے خیالات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے کالم میں انسان دوستی، درد اور پرانی روایات کا احیاء ہے۔ ایک بکھرے ہوئے ماحول میں اپنے ارادے جوڑ کر اپنی منزل کی طرف سفر جاری رکھنا انتہائی مشکل عمل ہوتا ہے لیکن انہوں نے اپنی زندگی میں بے شمار مشکلات کا سامنا کر کے بھی اپنے مقاصد کی طرف سفر جاری رکھا کیونکہ یہ ایک عملی انسان ہیں اور عملی انسان کے لیے اس کی تمام تر ناکامیاں بھی کامیابیاں بنتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ آپ ظالم حکمرانوں کے سامنے اور خود سے طاقتور کے خلاف بولنے کی جرات رکھتے ہیں اسی بناء پر آپ پر کئی مقدمات ہوئے، مختلف جیلوں میں بھیجا گیا مگر ہر بار حکومت نے تمام مقدمات واپس لے کر بغیر کسی سزا اور جرمانے کے بری کیا۔

عبدالودود قریشی اگرچہ کم لکھتے ہیں مگر لاجواب لکھتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ سچ لکھا اور صرف عوام کے لیے لکھا۔ کردار سازی ان کے کالم کی خاصیت ہے۔ کالم نگاری کے میدان میں عبدالودود قریشی کی ایک منفرد پہچان ہے۔ ان کے لفظوں میں ایک تاثیر ہے۔ یہ اپنی سوچ، خیالات فکر، اور کام ہی کی بناء پر قاری کے دل پر ہمیشہ راج کرتے نظر آتے ہیں۔

پرنٹ میڈیا

ا) "روزنامہ" ایشین نیوز "اسلام آباد، ہفتہ وار ادبی کالم" قابل ذکر جنوری ۲۰۱۹ تا تاحال جاری

۲) "روزنامہ "ادراک نو" اسلام آباد، ہفتہ وار ادبی کالم "آج کی بات

۳) روزنامہ "روش" راولپنڈی / اسلام آباد، ۱۲ فروری ۱۹۷۸ تا تاحال جاری

۴) روزنامہ "تعمیر" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر اور چیف رپورٹر۔ ۱۹۷۴ تا ۱۹۸۲ء

۵) روزنامہ "مرکز"، ڈپٹی ایڈیٹر، ۱۹۹۱ تا ۱۹۹۴ء

۶) روزنامہ "خبریں"، ریذیڈنٹ ایڈیٹر، فروری ۱۹۹۹ تا ۱۵ مئی ۲۰۰۱ء

۷) روزنامہ، "جناح"، اسلام آباد، ایڈیٹر، ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۱ تا ۲۱ جون ۲۰۰۸ء

۸) روزنامہ "رازی اخبار"، اسلام آباد، ایڈیٹر، ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۱ تا ۲۱ جون ۲۰۰۸ء

۹) روزنامہ "خبریں" ریذیڈنٹ ایڈیٹر، ۲۷ نومبر ۲۰۰۶ تا ۲۶ مئی ۲۰۰۷ء اور یکم جولائی ۲۰۰۸ تا ۲۶ مارچ ۲۰۰۹ء

۱۰) روزنامہ "پاکستان" اسلام آباد، گروپ ایڈیٹر، ۴ اپریل ۲۰۰۹ تا ۳۱ مارچ ۲۰۱۰ء

۱۱) ہفت روزہ، "ادراک نو" اسلام آباد، ایڈیٹر ۹ اپریل ۲۰۱۰ تا ۱۰ جنوری ۲۰۱۶ء

۱۲) روزنامہ "خبریں" اور چینل، ریذیڈنٹ ایڈیٹر، ۵ جنوری ۲۰۱۳ تا دسمبر ۲۰۱۶ء

۱۳) روزنامہ "نئی بات" ریذیڈنٹ، ۱۳ جنوری ۲۰۱۶ تا ۲۰۱۷ء

۱۴) روزنامہ "خبریں" اسلام آباد، پشاور، ریذیڈنٹ ایڈیٹر، ۵ مارچ ۲۰۱۸ تا ۳۱ دسمبر ۲۰۱۸ء

الیکٹرونک میڈیا

۱) "یونی پلس ٹی وی"، بیورو چیف، انچارج آف کرنٹ افیئر، اگست ۲۰۰۲ تا ۲۳ دسمبر ۲۰۰۳ء

۲) "چینل "۵، ایڈیٹر سپیشل اسائمنٹس، یکم جولائی ۲۰۰۸ تا ۲۶ مارچ ۲۰۰۹ء

۳) "یوٹیوب چینل"، Fact with Wadood

حوالہ جات

۱) نور الحسن نیّر ، مولانا، نوراللغات (جلد دوم)، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ، نیلاب پرنٹرز ، گوالمنڈی راولپنڈی، طبع سوم ۲۰۰۶ء، ص۹۱۷

2) Oxford Advanced Learner's Dictionary 7th Edition ،Page 295

۳) رشید احمد گریجہ، ڈاکٹر، "رہنمائے صحافت"، مجید بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص۱۷۷

4) Oxford Dictionary of English, Page 193, Published 1986

۵) فیلن۔ ایس۔ ڈبلیو، ڈاکٹر۔ (مرتبہ) فالونز انگلش اردو ڈکشنری، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ص۱۷۱

۶) بشیر احمد شیخ (مرتبہ) کتابستان ڈکشنری، اردو بازار، لاہور۔ ص۲۸-۱۲۷

7) The Encyclopedia Britinnica, Volume III, 1973, Page 29

8) The Oxford Guide to English Language, Oxford University Press,Tokyo,Page 292

۹) شفیق جالندھری، ڈاکٹر، کالم نویس، اے ون پبلشرز، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص۱۵

۱۰) خالد محمود عالی، اردو صحافت تاریخ و فن، نیو بک پبلش اردو بازار، لاہور، س۔ن، ص۹۱

۱۱) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، فن صحافت، مکتبہ کارواں، لاہور، س۔ن، ص۱۵

۱۲) خالد محمود عالی، اردو صحافت تاریخ و فن، ص۹۲-۹۱

۱۳) اسد اللہ خان غالب، صحافت (ہفت روزہ میگزین روزنامہ خبریں)، ص۲، ۲۰ اگست ۱۹۹۳ء

۱۴) عابد مسعود تہامی، جرنلزم، ص۸۶

۱۵) شفیق جالندھری، ڈاکٹر، کالم نویسی، ص۱۹

۱۶) محمد عتیق صدیقی، ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) پبلی کیشن فرید چیمبر عبداللہ ہارون روڈ، کراچی پاکستان، ۱۹۸۰ء، ص۲۶۲

۱۷) مولانا امداد صابری، روح صحافت، مکتبہ ءشاہراہ اردو بازار، دہلی۔۶، ۱۹۶۸ء، ص ۲۳

۱۸) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، اردو صحافت پاک وہند میں، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۴۱

۱۹) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، اردو صحافت پاک وہند میں، ایضا، ص ۴۲

۲۰) محمد اسلم ڈوگر، فیچر، کالم، تبصرہ، مقتدرہ قومی زبان پطرس بخاری روڈ ایچ ایٹ فور اسلام آباد، ۱۹۹۸ء، ص ۷۸

۲۱) شفیق جالندھری، ڈاکٹر، اردو کالم نویسی، اے ون پبلشرز، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۸۳

۲۲) محمد عتیق صدیقی، ہندوستان اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) پبلی کیشنز فرید چیمبر عبداللہ ہارون روڈ، کراچی پاکستان، ۱۹۸۰ء، ص ۷۴-۲۷۳

۲۳) مسکین علی حجازی، ڈاکٹر، پنجاب میں اردو صحافت کی تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۸۱

۲۴) محمد عتیق صدیقی، ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) پبلی کیشنز فرید چیمبر عبداللہ ہارون روڈ، کراچی پاکستان، ۱۹۸۰ء، ص ۲۸۴

۲۵) عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، اردو صحافت پاک وہند میں، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۶۶ء، ص ۲۳۴

۲۶) ظفر عالم ظفری، اردو صحافت میں طنز و مزاح، ۱۹۹۶ء، ص ۵۴-۵۱

۲۷) وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، مکتبہ حال اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۲۰-۳۱۹

۲۸) وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، ایضا، ص ۳۴۵-۳۴۴

۲۹) سحر صدیقی، ایڈیٹر، ہفت روزہ حرمت اسلام آباد، ۱۹۹۴ء

باب دوم:

ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کا فکری تجزیہ

ڈاکٹر عبدالودود قریشی قیام پاکستان کے پانچ سال بعد ۱۹۵۲ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۲۲ سال کی عمر سے ہی کالم نگاری کے میدان میں قدم رکھ دیا۔ ۱۹۷۴ء کو روزنامہ تعمیر سے کالم نگاری کا باقاعدہ آغاز کیا۔ زیر تحقیق مقالہ کے اس باب میں ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کے سیاسی و سماجی، تاریخی، علمی وادبی اور حالات حاضرہ سے متعلق موضوعات کا جائزہ لیا جائے گا۔ انھوں نے ایوب خان کا مارشل لاء، ۱۹۶۲ء کے آئین کا نفاذ، ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ، ۱۹۷۱ء مشرقی پاکستان کی علیحدگی، معاہدہ تاشقند، سندھ طاس معاہدہ، پیپلز پارٹی کا قیام، ایوبی حکومت کا خاتمہ اور ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی، بے نظیر بھٹو کی جلاوطنی اور وطن واپسی، جنرل ضیاء الحق کا فضائی حادثے میں جان بحق ہونا جیسے سیاسی واقعات رونما ہوتے دیکھے ہیں۔

۱) سیاسی موضوعات

ڈاکٹر عبدالودود قریشی کا مطالعہ نہایت ہی وسیع ہے۔ وہ مختلف قسم کی سیاسی نوعیت کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ آپ مختلف اخبارات کے ایڈیٹر رہے ہیں لہذا صحافی ہونے کی حیثیت سے آپ کا مشاہدہ نہایت ہی گہرا ہے۔ آپ کے مختلف سیاسی نوعیت کے موضوعات کی ایک طویل فہرست ہے جن پر اپنے مخصوص کردہ مدھم اور دھیمے لہجے میں نہایت سلاست اور روانی سے لکھتے رہے ہیں۔ تمام کالم نگاروں کا من پسند موضوع سیاست ہی ہوتا ہے اور سیاست کے موضوع پر ہی اردو کالم نگاری میں سب سے زیادہ کالم لکھے جا چکے ہیں۔ عوام کی اکثریت چونکہ سیاسی موضوعات میں دلچسپی رکھتی ہے اس لیے اخبارات میں سیاسی کالموں کو اکثریت حاصل ہوتی ہے۔ کالم سیاسی خبروں کے معانی اور مطالب کو آسان، عام فہم اور وسیع تناظر سے سمجھائی جانے والی تحریر ہے۔

زیر تحقیق مقالہ میں ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کا مجموعہ "قابل ذکر" اور روزنامہ "ایشین نیوز" میں سیاست کے عنوان سے شائع ہونے والے کالموں کا موضوعاتی جائزہ لیا جا رہا ہے۔ عبدالودود قریشی کے

سیاسی عنوانات کے کالم سیاست میں اتار چڑھاؤ، ملکی سیاست ،سیاسی مسائل، ادب اور سیاست، سیاسی تاریخ، جمہوریت اور آمریت کے درمیان پاکستانی سیاست، مذہبی سیاست، لسانی اور قومی سیاسی تعصب پر مبنی ہیں۔

قومی اور لسانی تعصبات کی بناپر قوم پرست جماعتیں سیاست کرتی نظر آتیں ہیں۔ مثلاً سرائیکی صوبوں کے قیام پر جنوبی پنجاب کے سیاست دان، بلوچوں کے حقوق پر بلوچ قوم، اور کالا باغ ڈیم پر سندھ کے قوم پرست سیاست کرتے دکھائی دیتے ہیں۔اسی طرح اسلام کے نفاذ کے نام پر مذہبی جماعتوں کی سیاست ہوتی ہے۔ پاکستانی سیاسی پارٹیوں کا منفرد طرز سیاست کی بناپر فوجی مداخلتوں کے نتیجے میں تین وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان، حسین شہید سروردی اور محترمہ بے نظیر بھٹو کا قتل، جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی اور نواز شریف کو جلاوطن کیا گیا۔ پاکستان کی سیاست میں سے اخلاقیات کے ختم ہونے سے سیاست صرف اقتدار کی ہوس بن کر رہ گئی ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالموں میں مختلف سیاسی موضوعات کے ذریعے سیاسی رہنماؤں کی نوک جھونک ، سیاسی خرابیوں اور سیاسی مسائل پر بے باک انداز بیان اپناتے ہیں۔ مختلف سیاسی مسائل کے حل بھی بتاتے ہیں۔ڈاکٹر عبدالودود قریشی کی تحریری زبان سادہ، عام فہم اور آسانی سے قاری کی سمجھ میں آنے والی ہوتی ہے۔ آپ زیادہ تر سنجیدہ سیاسی موضوعات پر لکھتے ہیں۔ صحافت کے شعبے سے منسلک ہونے کی وجہ سے مختلف سیاسی پارٹیوں اور سیاست دانوں کو پاس سے دیکھنے کا موقع ملا جس سے کالم نگاری میں پختگی آتی گئی۔ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کا مجموعہ " قابل ذکر" میں سیاسی عنوانات کے تحت لکھے جانے والے موضوعات بھارتیوں کا بغیر ویزے کے قیام ،سفارت خانے کا تجسس، آزادیاں دو یا شریعت بل لاؤ، بھارت کشمیر میں استصواب رائے کروانے کا وعدہ کب پورا کرے گا، امریکہ اور۔۔۔ جرم ضعیفی کی سزا، شریعت بل بھی خلافت اسلام، حکمران عوام پر انحصار کریں، سیاسی جماعتوں میں بھی جمہوریت، سیاستدانوں کا عدالتی احتساب، آئی بی۔۔۔ آئی ایس آئی ،شریعت کا سرکاری خیمے میں قدم، سرکاری وکیل بھی غریب پر بوجھ، مری روڈ۔۔۔ مختلف ایجنسیاں، ڈاکو۔۔۔ جتوئی کا بنگلہ ، سرکار کی سرپرستی، سانحہ اوجڑی اور سابق وزیر داخلہ کا انکشاف، عدالتوں کی توہین کا فیشن، سپیکر کا مستحسن اقدام، قابل تقلید فوجی قیادت کی تبدیلی، عدلیہ کے رکن کا قتل۔۔۔ قابل مذمت فعل، آئی جی پنجاب کا تبادلہ۔۔۔وزیر اعظم کی ناراضگی، نیا امریکی اسکینڈل۔۔۔ خطرہ روس نہیں اسلام ، آئی جی اسلام آباد کا تبادلہ ،اسلحہ آرڈیننس ۔۔۔ موجودہ قوانین ۔۔۔ صوابدیدی اختیارات، وزراء کی غلط بیانیاں۔۔۔ لوڈ شیڈنگ، پنجاب کی بنیادی اکائی ختم ہو رہی ہے اور "ایشین نیوز" میں

سیاسی موضوعات ۲۰۲۰ - ۲۰۱۹ کیا حکمران جوابدہ ہو گا، صدارتی نظام کا سوشہ، جج۔۔۔ صاحب استطاعت سے ڈکیتی کیوں، میڈیا کو اقتدار گرانا چاہیے، این آر او کی حقیقت کیا ہے اب بدعنوانوں کو بھی شکست دیجیے، میاں نواز شریف کو ضرورت علاج یا رہائی، بلاول بھٹو کی مایوس کن پریس کانفرنس، عدلیہ اور احتسابی اداروں پر حملے ایک روایت ہے، کابینہ میں خوش آئند تبدیلی، پاکستان دشمن امن پر بوکھلا اٹھے، ججوں کے خلاف حکومتی ریفرنس، فوجی افسران کو سزائیں، بدعنوانی کی حمایت اور پارلیمنٹ کا فورم، نواز، زرداری اور الطاف حسین زیر حراست، الطاف حسین کی رہائی اور حقائق، پارلیمنٹ اپنا اعتماد کھونے لگی، جنرل فیض حمید پر عائشہ صدیقہ کی ہجو گوئی اور حقیقت، عمران خان اور پی ٹی آئی کے موقف میں وزن ہے، عدلیہ کو بچانے کا نادر موقع، دورہ عمران، دنیا میں پاکستان کی عزت میں اضافہ، سینٹ میں اپوزیشن کی ناکام تحریک، کرامویل کا مجسمہ پارلیمنٹ کے باہر نصب ہے چارلس اول کا نہیں۔

ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کے موضوعات کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ وہ ملکی مسائل اور ان کے حل پر بھی بات کرتے ہیں اور پاکستانی اور بین الاقوامی جمہوریت، حکمرانوں پر بھی کھل کر تنقید کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستان میں سیاست ہمیشہ سے ہی بگڑتی اور بنتی رہتی ہے۔ سیاست میں روز اول سے ہی اتار چڑھاؤ دیکھنے کو ملتا ہے۔ سیاسی شخصیات میں سے کسی کا دور بہت اچھا تو کسی کا برا رہا ہے۔ ہر عہد میں بے شمار پریشانیاں صرف عوام کی ہی جھولی میں آتی ہیں۔ بڑے بڑے سیاسی جلسوں اور تقریروں میں وزراء کے دعوؤں سے عوام پر امید ہو جاتی ہے مگر عوام ان سیاسی حکمرانوں کی باتوں میں الجھ جاتے ہیں۔ اگرچہ جمہوریت میں عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے ہوتی ہے۔ عوام حکمرانوں کا تو انتخاب کرتے ہیں لیکن عوام جب بھی کسی حکمران کو بڑے بڑے دعوے کرتے دیکھتی ہے تو ساری امیدیں اس حکمران سے لگا لیتی ہے۔ جب بھی کوئی نئی حکومت بنتی ہے تو اسے ضرور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سیاسی حکمران اور وزراء اقتدار میں آنے کے ساتھ ہی عوام سے کیئے گئے وعدوں کو بھلا کر اپنے قول و فعل میں واضح تضاد دکھاتے ہیں اس عوام کی خواہشات کو پس پشت ڈال کر اقتدار کی ہوس پوری کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے کہ ڈاکٹر عبدالودود قریشی لکھتے ہیں

> "وہ ارکان اسمبلی جو بددیانتی کے مرتکب پائے گئے خصوصی عدالتوں کے سامنے ہوں گے
> اس طرح سینہ زوری سے اور اقتدار کے نشے میں لوگ مدہوش ہو کر بددیانتی سے گریز کریں

گے اور جب سیاست دان بھی بد دیانتی کے زمرے میں آئیں گے ان کا بھی عدالتی احتساب ہو گا۔"۱

تمام سیاسی پارٹیاں اپنے ملک میں درپیش مسائل اور مشکلات کا ذمہ دار ایک دوسرے کو ٹھہراتی ہیں۔ وزیراعظم لیاقت علی کا ۱۹۵۱ء میں قتل اس بات کی گواہی تھی کہ فوجیوں سے سیاسی اقتدار نکل چکا ہے اور جمہوری حکومت بھی اپنی حالت تبدیل کر چکی ہے۔ پاکستانی عوام دوبارہ سیاسی اقتدار کسی صورت بھی فوجیوں کو دینے کے لیے تیار نہ تھی۔ یہ سلسلہ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں کامیاب ہوا۔ ہر سیاسی پارٹی یہ وعدہ تو کرتی ہے کہ وہ جمہوریت کو پروان چڑھائے گی لیکن ان وعدوں کے پیچھے سیاسی پارٹیوں کا مقصد مخالف پارٹی کا وطن سے محبت کے جذبے کا مذاق اور اپنی اور دوسری پارٹیوں کے حسب نسب کو اچھی طرح پہچاننا ہوتا ہے۔ ان کا مقصد صرف اپنے سیاسی رعب و دبدبہ قائم کرنا اور اپنا سیاسی مقام پیدا کرنا ہوتا ہے۔ سیاسی کارکن، ماہر دانش، فنکار اور معاشرے کے اہم ترین اراکین ہوتے ہیں۔ پاکستان میں سیاسی رہنماؤں کی نہ تو کوئی کمی ہے اور نہ ہی سیاسی رہنماؤں کو اپنے آپ کو سامنے لانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ سیاسی رہنما بڑی اور کامیاب پارٹی بنانے کا فن خوب رکھتے ہیں۔

"کسی بھی سیاسی جماعت کا ریکارڈ اچھا نہیں اور سیاسی جماعتوں کے ارکان اپنی جماعتوں کی نہ تو باقاعدہ طور پر کوئی تنظیم کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں انتخابات نام کی کسی چیز کا رواج ہے اس سے ملک میں آنے والے طالع آزماؤں کو تقویت ملتی ہے۔۔۔ اسطرح سیاست دانوں کو اپنی قوت اور طاقت کا کوئی اندازہ بھی نہیں ہوتا۔"۲

سیاسی کارکن زندگی اور فکر سے دور زاویے کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ سیاسی کارکن کم عمری سے ہی کسی مضبوط آدمی کے زیر سایہ رہتے اور ساری عمر اسی کے ساتھ گزارتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سیاست سے گہری وابستگی اور واقعات کے متعلق تفصیلی علم رکھتے ہیں۔ ایسے سیاسی کارکنوں میں طبقاتی کشمکش دیکھنے کو ملتی ہے۔ لباس سے ہی سیاسی کارکنوں میں سیاست کی چھاپ نظر آتی ہے۔ ہماری سیاسی سرگرمیاں روز بروز بدلتی رہتی ہیں۔ انتخابات سے پہلے تمام سیاسی حکمران اور ان کی سیاسی سرگرمیاں حرکت کرتی نظر آتی ہیں۔ تمام سیاسی جماعتیں عوام کے سامنے خود کو اچھا ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ دسمبر ۲۰۰۳ء میں آئین میں سترہویں ترمیم کے تحت ایوان صدر کو بگاڑ کر اپریل ۲۰۱۰ء آئین میں اٹھارہویں ترمیم کے

تحت جمہوریت کو دوبارہ بحال کر دیا گیا۔ یہ دو اہم واقعات ماضی بعید کے نہیں بلکہ موجودہ تاریخ میں رونما ہونے والے دو اہم ترین واقعات ہیں۔ آئین بھی توڑے جاتے رہے، مارشل لاء بھی لگتے رہے، وزیر اعظم بھی قتل ہوئے، اور حکومتیں بنتی اور پھر ٹوٹتی بھی دکھائی دیتی رہیں۔ لیکن پاکستانی عوام نے ایسے تمام مسائل اور مشکلات سے نہ تو خاطر خواہ اثر قبول کیا اور نہ ہی خود کو بہتر کیا۔ ہمارے سیاسی اراکین کو نفسیاتی کمزوریوں کی وجہ سے اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ان کے سیاسی اراکین میں برداشت، تحمل، صبر، وسعت نظر کا مادہ پیدا ہو گیا تو یہ ان کے لئے نقصان کا سبب بنے گا کیونکہ اگر یہ تمام چیزیں ان میں پروان چڑھنے لگی تو وہ سیاست کے برعکس سیاسی عمل میں حقیقت پسندی اور فیصلہ سازی کے قابل ہو جائیں گے جس سے سیاسی اراکین پر ان کا اثر کمزور پڑ جائے گا جس سے انہیں اپنے سیاسی شہرت ڈوبتی نظر آتی ہے۔ عوام ہمیشہ اپنی سیاسی شخصیت اور حکمرانوں کے گن گاتے نظر آتی ہے جبکہ باقی جماعتوں کے حکمرانوں انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

> "پاکستان میں عوام کے ووٹ اور پارلیمنٹ کو حکمران ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور جب ان کی کسی بدعنوانی کا چرچا ہوتا ہے تو قانون دکھاوے کے طور پر حرکت میں آتا ہے تو عوام سے حاصل کردہ ووٹوں اور پارلیمنٹ کو ڈھال بنا لیتے ہیں۔۔۔ حکمران جماعت میں ایک ایسی ٹیم موجود ہوتی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ اپوزیشن کی جانب سے اٹکائے جانے والے تمام روڑوں کو ان پر برسا دیتی ہے اور جب پارلیمنٹ میں اپوزیشن قانون سازی میں رکاوٹ بن رہی ہو تو عوامی طرز کی قانون سازی سامنے لائی جاتی ہے۔"۳

جمہوریت، سیاست اور معاشرت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جمہوریت صرف عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے ہی نہیں۔ لوگوں سے ہمدردی اور عوام کے ساتھ تعاون اور عام انسانوں اور سیاسی اراکین کے ساتھ مل کر کام کرنے کا نام ہے۔ سیاست میں دہشت گردی، کرپشن، دھوکا دہی، اجلاس، خطابات و تقاریر، سیکرٹریٹ، پارلیمنٹ اپنے مفادات کے لیے جھوٹ سیاسی آراکین کی آپس میں ملاقاتیں سب شامل ہیں۔

> "پاکستان میں ہر جماعت، ادارہ، سیاستدان اپنی ذمہ داری دوسروں پر ڈالتے ہیں اور دوسروں کے کام میں مداخلت اپنا فرض سمجھتے ہیں سیاسی جماعتوں میں سے کسی جماعت کی بھی تنظیم موجود ہوتی تو پھر مجلہ میں نئے آنے والوں کا پتہ چل جاتا۔ یہ جماعتیں نئے

آنے والوں کی سیاسی وابستگی معلوم کرنے نکلتیں اور انھیں ممبر بنانے کے لیے ان کی شناخت معلوم کرتیں تو اس ملک میں تخریب کاروں کے لئے کوئی پناہ گاہ موجود نہ ہوتی۔"۴

سیاست میں سیاسی پارٹیوں کے درمیان اختلافات, ان کی ذاتی دشمنیاں نہیں ہوتیں بلکہ سیاسی رکن اپنے حکمران کا ساتھ دینے کے لیے دوسری سیاسی پارٹیوں کے مخالف نظر آتے ہیں کیونکہ اس سے سیاسی کارکنان خود بھی مستفید ہوتے ہیں۔ سیاست میں سیاسی حکمران اور کارکنان اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اور اقتدار کی ہوس پوری کرنے کے لیے عوام کو اپنے پاوں تلے روندتے ہیں۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس محاورہ درست ثابت ہوتا ہے۔ صرف اپنا مقصد حاصل کرنا ہی ان کا بنیادی ہدف ہوتا ہے۔ طاقت اور قوت سب کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ کچھ مذہبی پارٹیاں سیاست اور مذہب کو آپس میں جوڑ کر معاشرے میں خرابی پیدا کر رہی ہیں کیونکہ مذہب مقصد حیات ہوتا ہے جس کے ماننے والے نہایت احترام، محبت اور عقیدت سے اس کے پیروکار ہوتے ہیں جب کہ سیاست میں دھوکہ بازی، بدعنوانی، رشوت خوری اور دہشت گردی جیسے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ وہاں مذہب کو سیاست سے جوڑنا مذہب کی بے حرمتی کرنے کے برابر ہے۔ سیاستدان طبقہ کم پڑھا لکھا جب کہ سرمایہ دار مضبوط، طاقت، قوت اور اثر اور رسوخ والے ہوتے ہیں۔ سیاستدان عوامی جذبات اور احساسات کا مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں۔

"ایوانوں میں بیٹھے افراد محض اپنی سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کی پتلیاں ہوتی ہیں جو ان کے لیے ناچتی ہیں اور وہ جتنی بڑی کرپشن اور بدعنوانی کے مرتکب ہو جائیں وہ اسے برا نہیں گردانتے بلکہ ان کے حق میں جمہوریت کا نام لے کر واویلا کرتے ہیں۔"۵

تمام سیاسی پارٹی اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کر کے ملک سے دہشتگردی کا خاتمہ کر سکتی ہیں کیونکہ آپس میں اختلافات رکھنے سے ہم کسی بھی چیز کو شکست نہیں دے سکتے۔ ملک کے مفاد کی خاطر غفلت اور لاپروائی سے نہیں بلکہ ایمانداری اور تعاون و یکجہتی سے درپیش مسائل حل کر کے ملکی معیشت، سماجی، اقتصادی اور معاشرتی حالت میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔ دشمنوں میں دراڑیں ڈالنے کے لیے عقلمندی اور ہوشیاری سے تدابیراتی کام کیے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کا سیاسی نظام فوجی حکومتوں اور آمریت کی وجہ سے بگڑا ہے کیونکہ فوجی حکومتیں اقتدار میں آکر حکومت اور پورے ملک کو اپنی تحویل میں لے لیتی ہیں۔ ان حکومتوں سے ملکی

سیاسی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ سیاسی مسائل اور معاشی بحران پیدا ہوتے ہیں۔ عوام کی زندگیوں میں بہتری لانے کے لئے سیاست خارجہ اور داخلہ پالیسیاں نافذ کرتی ہے اور ووٹ عوام کا بنیادی حق ہوتا ہے جمہوریت کو فروغ دیناووٹ کا اہم مقصد ہوتا ہے۔

"جمہوریت ایک نظام حکومت ہے جسے یورپ نے کئی ملکوں کو غلام رکھنے کے لیے مرتب کیا اور اپنے ہاں کی جمہوریت کے لئے ایسے قوانین بنائے کہ ان ممالک میں بیرونی سرمایہ اوراثرورسوخ اثرانداز نہ ہو سکے۔"٦

ووٹ کا آغاز سیاست سے اور اختتام جھگڑوں اور فسادوں پر ہوتا ہے۔۲۰۱۸ء کے انتخابات میں مسلم لیگ ن کو شکست کا سامنا ہوا اور پیپلز پارٹی کی کارکردگی بھی ناقص رہی۔ تمام طبقات کسان، مزدور اور تعلیم یافتہ طبقہ اپنے حق کے لیے یک زبان ہوئے۔ ہیرا پھیری اور دھاندلی کر کے ہمیشہ سیاسی پارٹیوں نے اپنے اہداف پورے کیے۔ سیاست کا تعلیم یافتہ طبقے کے ہاتھوں میں جانے سے بھی سیاست کے میدان میں جو تبدیلیاں رونما ہوں گی ان کی بدولت معاشرے کا کوئی نہ کوئی طبقہ ضرور متاثر ہو گا۔ پاکستان میں اب تک جتنی بھی سیاسی پارٹیاں آئیں انھوں نے صرف اپنے مفادات کو ہی ملحوظ نظر رکھا۔ ان سیاسی پارٹیوں کا مفاد ہی عوام تک پہنچ پایا۔ پاکستان میں مقیم سیاستدان وسائل کی کمی کی وجہ سے جب اپنی ضروریات پوری نہیں کر پاتے تو سیاست میں کرپشن تو ضرور کریں گے۔ رشوت، سود اور بدعنوانی جیسے جرائم کی بناء پر ہی ملکی ترقی ختم ہوتی نظر آرہی ہے۔

ملکی سیاست ایک صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ عوامی تحفظات کو مقدم رکھا جائے۔ آمریت پر صرف جمہوریت کی ہی بہتری ضروری ہے۔ کوئی بھی حکومت جب بڑے بڑے دعوے اور جھوٹے وعدے پورے نہیں کرتی اور روزگار کی سہولتیں فراہم نہیں کرتی تو پھر عوام دوسری پارٹیوں کو ووٹ دیتی ہے۔ سیاست اپنے اندر موجود خرابیوں کو ختم کر کے ہی ترقی کی راہیں ہموار کر سکتی ہے۔ یہ کالم ۱۹۹۴ءاور ۲۰۱۹ - ۲۰۲۰ میں شائع ہونے والے کالم ہیں. مختلف ادوار میں مختلف پارٹیوں کی حکومت رہی۔ بے نظیر بھٹو اور کبھی نواز شریف کی پارٹی کے ہاتھوں میں اقتدار ہوتا اور پھر موجودہ دور حکومت کے انتخابات کی بدولت ۲۰۱۸ء میں پاکستان تحریک انصاف کی حکومت قائم ہے۔ پی ٹی آئی کی حکومت قائم ہوئے چار سال ہی گزرے تو مختلف سیاسی پارٹیوں کے ملاپ سے تحریک عدم اعتماد سامنے آئی لیکن اسمبلیوں کو تحلیل کر کے تحریک عدم

اعتماد کو مسترد کیا گیا۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے غیر آئینی قرار دیتے ہوئے اسے دوبارہ بحال کیا اور قومی اسمبلی کو بحال کر کے حکومت اور اپوزیشن کی دوبارہ ووٹنگ کا اعلان کیا۔ اب بھی مختلف پارٹیاں ایک دوسرے کے مخالف اور کبھی ساری پارٹیاں پی ٹی آئی کے خلاف باہم نظر آتی ہیں۔ پچھلی دور حکومت ۲۰۱۳ء کے انتخابات کے نتیجے میں میٹرو بس پروجیکٹ بھی کامیابی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا اور مہنگائی بھی موجودہ دور حکومت کی نسبت کم تھی عوام کو موجودہ دور حکومت میں سخت مہنگائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، بے روزگاری عام ہے اور ملکی معیشت بھی تنزلی کا شکار ہے۔

سماجی موضوعات

سماج یعنی معاشرہ انگریزی میں اس کے لیے سوشیالوجی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جو کہ لاطینی زبان کے لفظ "socius" اور یونانی زبان کے لفظ "Logos" کا مجموعہ ہے جن کے معنی سنگتی، ساتھی اور علم یا مطالعہ کرنا کے ہیں۔ ایک فرانسیسی انشائیہ نگار عمانوئیل جوزف سیئیس نے ۱۸۳۶ء-۱۷۴۷ء نے پہلے اپنے ایک غیر مطبوعہ قلمی نسخے کے لیے سوشیالوجی کی اصطلاح کو متعارف کروایا۔ اس کے بعد ایک فرانس کے فلسفی آگستے کومتے نے ۱۸۵۷ء-۱۷۹۸ء نے باقاعدہ طور پر سوشیالوجی کی تعریف کی۔

فریڈرک کوپلسٹن کے مطابق

"کومتے نے عمرانیات کی تعریف کو ایک طاقتور امنگ بخشی، ایک ایسی امنگ جو انیسویں صدی کے آخری عشروں میں ثمر بار ہوئی۔"۷

سوشیالوجی کے لئے متبادل لفظ عمرانیات استعمال ہوتا ہے جس کے معنی رہن سہن، آبادی اور سماج کے ہیں۔ سماج یعنی معاشرہ انسانوں کے ایک گروہ یا مجموعے کو کہتے ہیں۔ ارسطو کے نزدیک انسان ایک معاشرتی حیوان ہے۔ اسے اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے دوسرے انسانوں سے تعلق اور واسطہ رکھنا پڑتا ہے۔ انسان گوشت کا ایک لوتھڑا یا صرف ایک وجود کا نام نہیں بلکہ شعور رکھنے والا جانور ہے۔ انسانی وجود کی بقاء کے لیے تمام مناسب اور معیاری ماحول کی دستیابی ہی مکمل انسان تشکیل پاتی ہے۔ سادہ شکل سے مشکل میں تبدیل ہوتے ہوئے اجتماع اور گروہ میں "معیاری" اور "مناسب" تقابلی صفات بھی پروان چڑھتی

گئیں۔ سماج کی حالیہ شکل تک تبدیلی کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے اجتماعی اور گروہی اصطلاحات "سیاسی" اصطلاحات کا روپ دھار چکی ہیں۔

سماج اور انسان میں جسم اور روح کا رشتہ ہے انسانوں کے بغیر معاشرہ نہیں بن سکتا اور معاشرے کی تکمیل کے لئے انسان ضروری ہیں۔ ایک طرف انسان کو سماجی حیوان کہا جاتا ہے لیکن انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ بھی ایک بات کی بنا پر دیا گیا ہے یعنی کے اس کے علم اور عقل و فہم کی وجہ سے۔ عقل اور فہم ہی کی بنیاد پر انسان کائنات کے پوشیدہ خزانوں کو ڈھونڈتا ہے اور معاشرے کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ دنیا کے ہر معاشرے میں مختلف انسان بستے ہیں اور ہر علاقے اور جگہ کے انسانوں کے رسم و رواج، روایات اور تہذیب و ثقافت دوسرے علاقے کے لوگوں سے مختلف ہوتی ہے یعنی اگر پاکستان ہی میں دیکھا جائے تو پاکستان کے پانچ صوبے ہیں اور پانچوں صوبوں کے لوگوں کا رہن سہن، زبان بود و باش اور لباس ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ماضی میں پاکستانی تاریخ کن کن معاشی اور سماجی مشکلات میں مبتلا رہی ہے۔

> "پاکستان میں فنانس کمپنیوں اور امداد باہمی کی کارپوریشنوں کا لوگوں کو لوٹنے کے مکروہ دھندے سے ہزاروں لوگوں کو پریشانی کا سامنا ہے۔ پیپلز پارٹی کی پہلی حکومت میں اس کی ابتداء ہوئی ان فنانس کمپنیوں نے اس وقت بھی لوگوں کو لوٹا تھا اور ان پر مقدمات ہوئے ان میں سے کچھ بیرون ملک فرار ہوگئے اور جو لوگ جیل گئے کچھ عرصہ بعد رہا ہوگئے ہم ایک بار پھر کئی سالوں سے یہ مکروہ دھندہ کارپوریشنوں کے نام سے شروع ہے۔"۸

معاشرے میں امن سکون ہمیشہ دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کی وجہ سے مصیبت کا شکار رہا ہے اور پاکستان بننے کے بعد بھی کئی طرح کی مشکلات کے باوجود بھی پاکستان میں خوشحالی کے چانسز زیادہ تھے جس کی بنیاد انتظامی امور کی مضبوطی تھی۔ انتظامی امور کی مضبوطی بھی پاکستان کی ترقی کی راہ میں خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکی۔ ادیب اپنی حساس طبیعت کی بدولت ایک معاشرے کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں اور معاشرے میں موجود برائیوں کو اجاگر کر کے انھیں ختم کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالموں میں ثقافتی، تمدنی اور معاشرتی اقدار سے جڑے رہنے کا درس دیتے ہیں۔ ہر معاشرے میں موجود معاشرتی اقدار کو اپنانا مسئلہ نہیں بلکہ تمام انسانوں کے مسائل کو دیکھ اور سمجھ کر مستقل حل کا قیام ہے۔

معاشرے میں قانون بنانے کا مقصد یہ نہیں کہ کسی انسان کو کسی بات پر مجبور کیا جائے یا تکلیف دی جائے بلکہ قانون بنانے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں موجود تمام لوگوں کی جانوں اور عزت کا تحفظ فراہم کیا جا سکے۔ معاشرے میں سماجی کارکن کی حیثیت سے تحفظ کی فراہمی صرف اسی قانون کے اندر شامل نہیں بلکہ انسان کی بنیادی ضروریات کے تحفظ کے لئے اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہر انسان اپنی زندگی کو جینے اور اور اپنے کام کرنے میں آزاد ہو گا اور ہر انسان کا دوسرے انسان پر احترام لازم ہے۔

> " آپ عبدالودود قریشی کے نظریات اور طرز عمل سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اس کے خلوص اور دیانت دارانہ عزم آہنی کو نظر انداز نہیں کر سکتے، پہلے وہ سوچتا ہے پھر فیصلہ کرتا ہے اور جب فیصلہ کر لیتا ہے تو سب کچھ کر گزرتا ہے، جس کی درمیان طبقے کے بہت کم افراد سے توقع کی جا سکتی ہے۔"۹

معاشرہ افراد سے بنتا ہے کسی بھی معاشرے کو بنانے میں تمام افراد کا اہم کردار ہوتا ہے۔ اس معاشرے میں درپیش مسائل کو اجاگر کرنا اور انہیں حل کرنا معاشرے کے تمام افراد ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ غم اور خوشی کے لمحات مل کر بسر کرنے ہوتے ہیں۔ معاشرتی زندگی کا ایک اہم ترین مسئلہ دہشت گردی ہے۔ جس نے ہر ملک اور ہر معاشرے کو گھیرا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم میں لکھتے ہیں کہ:

> "یورپ خاص کر امریکہ اور بھارت چین پا اپنی معاشی دہشت گردی کے طے شدہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں تاکہ چین کی برآمدات کو فوری طور پر ختم کروایا جا سکے اس طرح کی واردات پاکستان کے ساتھ ڈالی جا چکی ہے پاکستان میں سیاست، کرکٹ اور سرمایہ کاری کو مکمل طور پر دس سال تک روکے رکھا۔"۱۰

دوسری جنگ عظیم بھی اس بات کی طرف اشارہ تھی کہ عالم سیاست میں امن کا قیام یا تصور ناممکن ہے اسی طرح ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں سیاسی اور معاشی خون خرابہ عوام پر دہشت طاری کرنے کے لیے کافی تھا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بننے کے بعد مسلمانوں کو بہت زیادہ مشکلات کا سامنا تھا کیوں کہ ہندوستان نے تمام بڑی کمپنیوں اور فیکٹریوں کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور پاکستان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ پاکستان اکیلے ایسے حالات کا سامنا نہیں کر سکے گا۔ اگر موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو آئے روز دہشت

گردی کے نئے نئے واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ پاکستانی حکمران عوام کے بجائے خود کو ہی تحفظ دے رہے ہیں ایک اچھے حکمران کی ذمہ داری ہے کہ ملک میں ہونے والے تمام برے حالات کو مد نظر رکھ کر ان پر تحقیق کروائے اور ان کی بنیادی وجوہات ڈھونڈ کر انھیں ختم کرنے کی کوشش کرے لیکن آج کل کے حکمران ووٹ لیتے ہوئے تو اپنی باتوں میں ذمہ داری نبھانا دکھاتے ہیں لیکن حقیقت اور عمل میں ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ عوام کو چاہیے کہ اپنی ووٹ کے ذریعے ایسے انسان کا انتخاب کریں جو اس قابل ہو کہ جو نہ صرف کرسی کا حقدار ہو بلکہ عوام کی مشکلات دور کرنے میں بھی اپنا کردار ادا کر سکے۔ معاشرے میں عوام کی مشکلات صرف اس صورت میں حل ہو سکتی ہیں کہ ہمارے حکمران اپنے انفرادی مفادات کو پس پشت ڈال کر عوامی اور اجتماعی مفادات کو ترجیح دیں۔ معاشرے میں موجود تمام افراد انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی بھلائی کے لیے کوشاں رہیں اور اپنی خوشی، غمی اور دکھ سکھ مل کر بانٹیں۔

> "حکمرانوں پر منحصر ہے کہ پرانی روایت اور واردات پر ان اداروں کے سربراہوں کو کس قدر داد دیتے ہیں اور پھر اسی سے خوش ہو کر کتنے لوگ ان کا قرب اور ترقی پاتے ہیں ویسے یہ تاثر ان اداروں میں عام ہے کہ موجودہ وزیر اعظم اچھے باغات، اچھی سڑکوں، رنگ وروغن شدہ عمارتوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔"۱۱

معاشرتی سطح پر بہت سارے مفادات کارفرما ہوتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ اپنی شکل بدلتے رہتے ہیں کیونکہ قوم کی تعمیر اس صورت میں ہی ممکن ہے کہ جب تمام تر حالات کو ایک ہی پلیٹ فارم پر رہتے ہوئے برابر کی حیثیت دیتے ہوئے سمجھا جائے اور کسی کو بھی بالاتر یا بدتر نہ سمجھا جائے بلکہ سب کو برابر حیثیت دے کر چلا جائے۔ سیاسی سطح پر ہمارے سیاسی رہنماؤں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی کارگردگی براہ راست عوام پر اثرانداز ہوتی ہے اور ان کی قابلیت کا اندازہ بھی ان کی کارکردگی ہی سے ہوتا ہے لیکن ہمارے معاشرے کا ایک بڑا پہلو یہ رہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں موجود ہر فرد خود کو ہر فن مولا سمجھتا ہے اور خود کو مسیح قرار دیتا ہے۔ کسی بھی قوم کی بہتری کی بنیاد قانون پسند اور امن پسند شہری ہی نبھاتے ہیں ایسے شہریوں کا علم اسی صورت ہو پاتا ہے کہ گاڑی چلاتے ہوئے سرخ بتی دیکھ کر شہری رکتا ہے یا قانون کو توڑتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ ایک باضابطہ اور باشعور قوم اپنے حقوق و فرائض کو پہچانتی ہے اور اسے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ کس طرح، کیسے اور کس مقام پر اپنے حق کے لیے آواز اٹھائی جائے۔

ڈاکٹر عبد الودود قریشی لکھتے ہیں کہ

" ملکی معاشی حالات پر اپوزیشن غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتی نظر آتی ہے۔ دنیا کے تمام ممالک میں معاشی اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں مگر ایسی صورتحال کو قومیں یکجا ہو کر منطقی انجام پر پہنچانے میں کامیاب ہو جاتیں ہیں۔۔۔ ہمیں مضبوط فوج کی ضرورت ہے اور اسی کی مضبوطی سے ہم اور ہماری معیشت مضبوط و مستحکم ہو سکتی ہے۔"۱۲

پاکستان کو کمزور بنانے میں پاکستانی سیاست کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔ یہاں پر کہنے کو تو سیاست جمہوریت کا نام لیتی ہے لیکن سیاست آمریت پسندوں کے ہاتھوں میں ہے۔ صاحب دانشور اپنے ذاتی مفادات کی خاطر رشوت، بے ایمانی اور دھوکا دہی کا سہارا لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سے عام انسان اپنے حق سے محروم رہ جاتا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں کامیابی تبھی آسکتی ہے کہ وہاں میرٹ پر نوکریاں دی جائیں۔ مہنگائی کو کنٹرول کیا جائے اور ملکی معیشت کو غیر ملکی قرضوں اور امدادی پروگراموں کے ذریعے عوامی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ معیشت میں بہتری کے لئے خارجہ پالیسی ایسے پیمانے تشکیل دے سکتی ہے جس سے مشکلات کا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے تاکہ تجارت ہر انسان کی دسترس میں ہو اور سرمایہ کاری میں بھی بہتری لائی جاسکے۔ پاکستانی تاریخ میں بیرونی قوتوں کا ہمیشہ عمل دخل رہا ہے۔ اس وجہ سے ملکی ترقی پر منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ کوئی بھی ملک اس وقت تک ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا نہیں ہو سکتا ہے جب تک وہاں کی عورتوں کو افرادی قوت میں نہ شامل کیا جائے اور صنف تضاد نہ ہو۔ ۱۹۷۱ء کے عہد میں اس مسئلہ کے ساتھ باقی مسائل یعنی قانونی، معاشی عسکری، سماجی اور معاشرتی مسائل کے حل نہ ہونے کی وجہ سے ہماری سیاسی قیادت اپنی حیثیت اور مقام نہ بنا سکی اگر یہ مسائل حل کیے جائیں تو ہماری سیاست اپنا نام بنا سکتی ہے۔ سرزمین پاکستان میں کسی کو بھی معلوم نہیں کہ کون، کہاں، کب اور کیسے خون میں نہا کر اپنی زندگی کی بازی ہار بیٹھے۔ اس پریشانی اور خوف کے دور میں ہمارا ملک اور یہاں کے لوگ دنیا کے لیے بے بسی کی تصویر بنے رہتے تھے ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا۔

دہشت گردی کا پاکستان میں سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ پاکستانی عوام دہشت گردی کی وارداتوں سے تنگ آکر جرائم پیشہ افراد کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔ تعلیم کو تعصبات سے پاک کرکے، تنگ نظری ختم کرکے، رواداری کی جڑیں معاشرتی سطح پر مضبوط کرکے ہی ملکی صورتحال کو بہتر کیا جاسکتا ہے اور ملک میں امن

کی فضا قائم کی جا سکتی ہے۔ ہر شہری کو اپنے ذاتی معاملات میں خود مختاری کا آزادانہ اختیار حاصل ہے کیونکہ مذہب اور عقیدے میں آزادی ہر انسان کا انفرادی حق ہے۔ معاشرے کے دوسرے افراد کے ساتھ زبردستی مسلط کرنے کا اختیار کسی کے پاس نہیں۔ معاشرتی سطح پر مذہبی قتل و غارت کی بدولت معاشرے کا امن و سکون، انصاف اور مساوات کو برقرار رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ان برائیوں کی وجہ سے معاشرہ بہتری اور ترقی کی فضا قائم نہیں رکھ پاتا۔ پاکستان کے تمام شہریوں کو برابر بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں تشدد جیسی بدترین لعنت موجود ہے۔ ملک و قوم اور معاشرے سے تشدد کی برائی کو ختم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جمہوریت تو صرف نام کی ہے اصل حیثیت تو آمریت کو حاصل ہے جو کہ تشدد کی بدترین صورت میں ہے۔ تشدد ہر مہذب اور پاک معاشرے میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ تاریخ میں جمہوریت کے حوالے سے بات کرنے کا مقصد پرامن اور صحت مند معاشرے کی تشکیل تھا۔ عقل و شعور اور علم و فہم کی بدولت تشدد جیسی برائی کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ معاشرتی اختلافات سماج کو توڑنے کی وجہ بنتے ہیں۔ معاشرتی اختلافات کی تین بڑی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں مذہبی، لسانی اختلافات جبکہ دوسری قسم میں معاشی اور سیاسی مفادات کا ٹکراؤ اور تیسری قسم اجتماعی مقاصد اور ذاتی طرز زندگی ہے۔ حکومت اور معاشرے کے لیے فائدہ اسی میں ہے کہ عوام اور ریاست کے تعلق کو مضبوطی سے استوار رکھا جائے۔ عوام اور ریاست کے تعلق میں ناکامی سے ملکی معیشت ترقی کی بجائے تنزلی کا شکار ہو جاتی ہے۔ شرح خواندگی بھی پاکستانی معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ خواندگی کی شرح تو روز بروز بڑھ رہی ہے لیکن روزگار اور تعلیم کی سہولتیں بڑھائی نہیں جا رہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت نئے نئے طریقہ علاج تو متعارف ہوتے ہیں۔ لیکن آج بھی ملک میں خواتین کی بڑی تعداد بچوں کے پیدائش اور حمل کی پیچیدگیوں کی بدولت موت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ موجودہ اور جدید عہد میں بھی ان مسائل پر قابو نہیں پایا جارہا۔

بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد اجمل نیازی

"ودود نے جو قابل ذکر باتیں کی ہیں، اچھی ہیں وہ جو ناقابل ذکر باتیں ہیں، وہ کون کرے گا ،اس کی اگلی کتاب کا نام ناقابل ذکر ہونا چاہیے۔ ودود کی دوستی ایک غنیمت چیز ہے۔ کچھ لوگوں کے لیے مال غنیمت ہے۔"۱۳

پاکستان میں پیداوار کم ہونے کی بدولت دوسرے ممالک کی درآمدات پر ملکی کفالت ہوتی ہے۔ پاکستان میں سرمائے کی کمی اور روزگار کی عدم فراہمی کی وجہ سے پاکستانی باہر کے ممالک جا کر ملازمت کرتے اور اپنی صلاحیتیں وہاں استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ پاکستانی باشندے اپنی صلاحیتوں کو مناسب انداز میں استعمال نہ کرنے کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک سے بہت پیچھے ہیں۔ حکومتی ریاستی اداروں میں پالیسیوں کے عدم نفاذ اور پیدائشی بچوں کی اموات سماجی اور معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں ہیں۔ اس طرح کے تمام عناصر ملکی خوشحالی پیدا نہیں ہونے دیتے۔ ملک پر ہونے والے پے درپے حادثات جیسے کہ دہشت گردی، حملے اور ملکی ترقی کے لیے کام کرنے والے افراد پر حملے عوام پر برے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ دہشت گردی کی اداروں میں وارداتوں کی وجہ سے بچوں میں خوف پیدا ہوتا ہے اور وہ تعلیمی سرگرمیوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ دشمن اس طرح کی سازشیں ترقی پذیر ممالک کی ہی صف میں ہمیشہ کھڑا رکھنے کے لیے کرتا ہے۔ کیونکہ تعلیم ہی کی وجہ سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ تعلیم ہی خیر و شر میں فرق کرنا سکھاتی ہے۔ ملک اور معاشرے میں بہتری بھی صرف تعلیم ہی سے ممکن ہوتی ہے۔ انتخابات کے دوران صرف سیاسی افراد ہی پریشان نہیں ہوتے بلکہ اس کا اثر سماج اور معاشرے پر بھی پڑتا ہے کیونکہ جلسوں میں بچے، خواتین، بوڑھے سبھی شامل ہوتے ہیں۔ کسی ناگہانی صورتحال میں معاشرہ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اس دور میں سماجی حالات اذیت ناک صورتحال اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ملالہ یوسف زئی پر حملہ اور لال مسجد کے واقعے نے ماؤں، بہنوں اور بچوں کے ذہن پر گہرے نقش چھوڑے ہیں۔ ملک اسوقت کھربوں کی تعداد میں قرضوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کی ترقی اور بحالی آنے والے کئی سالوں میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

۲) تاریخی موضوعات

تاریخ وہ مضمون ہے جس میں گزرے ہوئے حالات و واقعات بیان کیے جاتے ہیں اور گزرے ہوئے عہد، حکمرانوں اور لوگوں کی زندگیوں کے بارے میں مکمل معلومات ملتی ہیں۔ تاریخ دان مختلف ذرائع کے ذریعے گزرے ہوئے حالات و واقعات سے معلومات اکٹھی کرتے ہیں۔

"تاریخ کا لفظ عربی زبان سے نکلا ہے اور اپنی اساس میں آرخ سے ماخوذ ہے جس کے معنی

دن، عرصہ یا وقت کے ہیں۔ تاریخ نسل انسانی کے انفرادی اور اجتماعی کردار، اعمال اور افعال کی آئینہ دار ہے۔ تاریخ انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے، گزشتہ نسلوں کے بیش قیمت اور یادگار تجربات آئندہ نسلوں تک پہنچاتی ہے تاکہ انسانی تمدن کا کارواں خوش اسلوبی سے رواں دواں رہے۔ تاریخ کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کی اس کے مطالعے سے اقوام اور افراد اپنے ماضی کے دریچے میں جھانک کر اپنے کردہ اور ناکردہ اعمال پر تنقیدی نظر ڈال کر اپنے حال اور مستقبل کو اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔"١۴

تاریخ کا تصور بہت پرانا ہے تاریخ دنیا کے وقوع میں آنے سے لے کر آج تک بہت سارے روپ بدل چکی ہے اور آج تاریخ اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ جہاں روزمرہ زندگی میں ہونے والے مسائل کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی تاریخ میں گزرے ہوئے واقعات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ تاریخ وہ علم ہے جو کسی بھی قوم کے حالات و واقعات کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے اور حالات و واقعات کو زیر بحث لاتا ہے۔ اناتوال قراش کے مطابق تاریخ گزرے ہوئے اتفاقات اور حادثات ہیں۔ ای ایچ کار کے نزدیک ان تمام واقعات کے سلسلے ہیں جو تحقیق شدہ ہیں۔ کارل بیکر تاریخ کو افعال و اقوام کا علم مانتا ہے۔ سیلی کے مطابق گزشتہ سیاست موجودہ تاریخ جبکہ تاریخ گزری ہوئی سیاست ہے۔ حقیقت میں تاریخ پر لوگوں کے چاہے جتنے اختلافات کیوں نہ ہوں لیکن تاریخ کے حوالے سے ایک بات ہر مفکر اور ماہر مانتا ہے کہ تاریخ ہمیں گزرے ہوئے دنوں اور قوموں کے بارے میں معلومات دیتی ہے۔ کسی بھی قوم و معاشرے کو مہذب و منظم بنانے میں تاریخ فن تحریر کا اہم کردار رہا ہے۔ زمانہ قدیم میں فن تحریر کا مذہبی تصورات کے ساتھ ایسا رائج ہوا جس کے نتائج نہایت فائدہ مند ثابت ہوئے۔ تصوری تحریر کو مصریوں نے متعارف کیا۔ کیونکہ انھوں نے اپنی تحریر جو چھ سو نشانیوں میں مجتمع کر کے رکھا۔ یہ تمام نشانیاں حروف میں بدلیں اور اس کے بعد یہ تمام نشانیاں سفر کرتے کرتے موجودہ دور تک پہنچیں۔

"قدیم قومیں اور ملک اگر ترقی کا سفر اختیار نہ کرتے تو موجودہ دنیا اس منزل تک نہ پہنچ سکتی، جس منزل پر آج ہے۔ پتھر کے زمانے سے لے کر موجودہ عہد جدید تک انسان مسلسل ترقی ہی کرتا رہا ہے اور تاریخ یہ بتاتی ہے کی آئندہ بھی وہ ترقی ہی کرتا رہے گا۔"١۵

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے ہمیشہ مشکلات پر قابو پانے کے کوشش کی ہے۔ اور جب جب انسان مشکلات پر حاوی ہوا ہے تو اس نے ترقی کی ہے. اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو تاریخ ایسی بہت سی روشن دلیلوں سے بھری پڑی ہے جو یہ ثابت کرتیں ہیں کہ کس طرح ہمارے بزرگوں نے قربانیاں دے کر اس وطن کو حاصل کیا۔ قائد اعظم ایک عظیم لیڈر کی حیثیت سے دنیا کے نقش قدم پر ابھرے اور تا قیامت دنیا کی تاریخ میں ایک نام چھوڑ کر گئے لیکن افسوس کے قائد اعظم کا مساوی سلطنت بنانے کا ایک خواب کہ جو سلطنت جہاں تمام مسلمانوں کو برابری کا درجہ حاصل ہو گا وہ خواب صرف خواب ہی رہا اور وہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اگر تاریخ پر نگاہ دوڑائیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ تمام معاشی اور سماجی علوم میں "تاریخ نویسی" کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی۔ "تاریخ نویسی" ہی کی وجہ سے معاشرے کے افراد میں وسعت قلبی و نظری پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے معاشرہ ترقی کرتا ہے اور منزل تک پہنچنے کے لئے افراد بھرپور محنت اور جدوجہد کرتے ہیں۔ ماضی کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ماضی کی تاریخ سنہری حروف سے بھری پڑی ہے پھر چاہے وہ عہد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو، حکمرانوں یا بادشاہوں کا ہو، یا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا، سب میں سلطنت کے نشیب و فراز کی داستانیں ملتی ہیں۔ ہماری تاریخ ایسی تمام داستانوں سے بھری ہے۔ تاریخ کے ذریعے ہی ہم ماضی میں درپیش حالات و واقعات سے سبق آموز ہوتے ہیں۔ تاریخ لکھنے کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ عوام بزرگوں کی کامیابیوں کو پڑھیں اور ان سے سیکھیں کہ ناگہانی حالات کا مقابلہ کیسے کیا جاتا ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ جہاں ملک پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے اس ملک کے رہنماؤں اور عوام نے اپنی جان تک کی بازی لگائی لیکن موجودہ دور کی عوام اپنی ان قربانیوں سے کچھ نہ سیکھ سکی اور اسی نا اہلی اور سستی کی وجہ سے پاکستانی عوام اپنے ووٹ کا درست استعمال کر کے کوئی اچھا حکمران سامنے نہ لا سکی۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم "نہرو خاندان کا آخری چشم و چراغ" میں تاریخ کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔

> "نہرو خاندان نے بظاہر بھارت کی بڑی خدمت کی اور وہ سیکولر ہونے کے دعوے دار تھے، مگر اس خاندان کے آخری دو اقتدار میں سکھوں، کشمیریوں اور مسلمانوں پر وہ مظالم ڈھائے گئے کہ وہ اپنی بقاء بھارت سے علیحدگی میں سمجھتے ہیں۔۔۔ نہرو خاندان کا یہ آخری چشم و چراغ بھارت میں خاندانی تنگ نظری اور ہندو نوازی کو سیکولر کا نعرہ لگا کر بھی خفیہ نہ رکھ سکا اور اس

دور نے بھارت کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی بنیاد رکھ دی"١٦

اسی طرح دوسری تواریخ پڑھنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی حکومتیں، حکمرانوں اور خاندان اس وجہ سے زوال کا شکار ہوئے کہ انہوں نے اپنی گزشتہ تاریخ سے کچھ سبق نہ سیکھا اور اصلی مفاد کو پس پشت ڈال کر ذاتی مفاد میں دلچسپیاں لینے لگے۔ اس طرح مغلیہ خاندان نے اپنے عہد میں شان و شوکت کے ساتھ نام بنایا لیکن اپنے آباو اجداد سے نہ سیکھنے کی بدولت مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ دنیا کی رنگینیوں، چکاچوند اور اپنی ذاتی مفاد میں گم کر رہ گئے اور اپنے آباء و اجداد سے سیکھنے کے بجائے روشن مستقبل کے خوابوں میں سستی، نااہلی کی بناء پر تمام شان و شوکت، رتبہ اور مال و دولت سے ہاتھ کھو بیٹھے اور ان کے بعد آنے والوں نے بھی ان سے کچھ خاطر خواہ سبق نہ سیکھا۔ انسانی زندگی میں تاریخ کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ تاریخ کے مطالعے سے گزرے ہوئے لوگوں کی زندگیوں سے عبرت حاصل کی جاتی ہے۔ اگر گزرے ہوئے لوگوں نے اپنے وقت میں کامیابی حاصل کی ہے تو اس تاریخ کو پڑھ کر دور حاضر کے لوگ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی منازل حاصل کرتے ہیں لیکن ماضی میں جن لوگوں نے ذاتی مفاد کو مد نظر رکھا تو ان کے واقعات سے عبرت حاصل کر کے اپنے حال پر توجہ مرکوز کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر عبد الودود قریشی اپنے کالم "قابل تقلید فوجی قیادت کی تبدیلی" میں تاریخ سے متعلق لکھتے ہیں۔

> "جنرل اسلم بیگ کی حب الوطنی اور دور اندیشی کا نشان آج تک ہر فوجی کے سینے پر تمغہ جمہوریت کی صورت میں سجا ہوا ہے جو تا قیامت ہر فوجی کے سینے پر رہے گا۔۔۔ جنرل اسلم بیگ کا کردار منفرد اور تاریخی ہے جسے قوم کبھی فراموش نہیں کرے گی۔"١٧

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اور سیاست کا رشتہ بہت مضبوط ہے۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے دور میں عدل و انصاف کی ایسی مثالیں پیش کی گئیں کہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں لیکن افسوس کے ساتھ آج کی سیاست صرف ذاتی مفاد تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ آج کے دور کی سیاست میں عدل و انصاف جیسی خوبیاں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔ آج کے دور میں رشوت، بد عنوانی اور دھوکے بازی جیسی معاشرتی برائیاں مثالی قوم بننے کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنتی ہیں۔ سرزمین پاکستان میں بسنے والے لوگوں کی بہتری اور بھلائی سوچنے والا کوئی دماغ نہیں ملتا۔ صاحب دانشور و ادیب بہت سالوں سے ملک میں ہونے والے برے عوامل کرپشن، بد عنوانی، جہالت، نااہلیت پر لکھتے رہے ہیں کیونکہ ایک

شاعر، فنکار اور ادیب جس طرح معاشرے میں موجود کمزوریوں کو دیکھ سکتا ہے اس طرح کوئی عام آدمی نہیں محسوس کر سکتا۔ بڑا المیہ یہی ہے کہ قوموں کی تعمیر میں قوموں کی ضروریات کو صحیح طرح سے پیش نہیں کیا گیا ۔ ہمیشہ بہتر طریقے سے واضح کی گئیں چیزیں قوم کی ترقی کی بنیادیں مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم "مسلمانوں کی علامت۔۔۔ فتح خوست کے شریک" میں کہتے ہیں۔

"عراقی صدر صدام حسین کی ڈینگوں نے بھی ملت اسلامیہ کی رسوائی کروائی اور جہاد کے الفاظ کا مذاق اڑوایا اس میں کوئی شک نہیں کہ صدام حسین کو اسلام سے کوئی رغبت نہیں اور وہ ایران عراق جنگ میں عرب و عجم کا جھنڈا لہرا کر مسلمانوں کا خون بہاتے رہے اس میں عراقی بھی شامل تھے مگر یورپ صدام حسین کو مسلمانوں کی علامت سمجھ کر ہی روندتا رہا۔"۱۸

ایسے نہیں کہ آمریت کا نظام اس صدی میں قائم ہوا بلکہ تاریخ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آمریت ہر دور میں موجود رہی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اپنی جڑیں مضبوط کرتی رہی ہے۔

ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم "گاندھی کی لاٹھی بے توقیر گوڈسے کا پستول معتبر ہوا" میں تاریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"ہندو انتہاپسندوں کا بھارت کے اقتدار میں آنا نوشتہ دیوار تھا کیونکہ بھارت میں جب مسلمان مغل حکمران تھے تو یہ ایک سونے کی چڑیا تھی اور پھر انگریز نے اسے جس طرح سے لوٹا، یہ دن بدن غربت کی دلدل میں دھنستا گیا اور اقتدار حاصل کرنے کے لیے غریب ہندوؤں کو ہندوتوا کائی نعرہ دے کر جمہوریت کے نام پر ان سے ووٹ لے کر اقتدار پر قابض ہوا جا سکتا تھا اور اسکی قیمت مسلمانوں سے ہی ادا کرنی تھی۔"۱۹

تاریخ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے آمریت ہمیشہ جمہوریت پر حاوی رہی ہے اور ہمیشہ ہی مضبوط طبقہ، کمزور طبقے پر حکمرانی کرتا رہا ہے۔ ۱۹۱۷ء میں رونما ہونے والے انقلاب فرانس میں بھی عالمی تاریخ پر ایسے نشان چھوڑے ہیں کہ جو تاقیامت قائم رہیں گے۔ دوسری عالم جنگ میں بھی ملکی حالات یکسر بدل گئے۔ نو آزاد ممالک میں انقلاب کو اس بری طرح سے روندا گیا کہ جس طرح سے کسی بادشاہ کا تخت الٹ دیا جاتا

ہے۔اور قتل وغارت کے جس سلسلے کا آغاز نشاۃ ثانیہ کے ساتھ رونما ہوا تھا وہ دوسری جنگ عظیم میں آکر اپنے اختتام کو پہنچا اور معاشی سطح پر جمہوریت کو ایک نئی راہ دکھائی جسکی بدولت نظام میں کوئی بھی خرابی لائے بغیر انقلاب کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ پاکستان کی تاریخ کا کردار ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ پاکستان بننے کے چار سال بعد لیاقت علی خان کی شہادت اس بات کا ثبوت تھی کہ سیاسی اقتدار پر فوجی مسلط ہو چکے ہیں۔ یہ سب تحمل وصبر اور حکمرانی کا انکار عوام کے حق میں ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں کامیاب ہوا۔ ۱۹۷۹ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت کو فوج سے الگ رکھنے کے لیے کوششیں کی گئیں۔ تاریخ کو مختلف معنوں میں دیکھنا بہت اہم ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تاریخ کا نظریہ پاکستان میں کیا کردار رہا ہے؟ پاکستان بننے سے پہلے سیاسی نظریے سے تاریخ کی کیا اہمیت تھی اور پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد نظریہ پاکستان کے اصل مقاصد کیا تھے اور بحیثیت شہری مسلمانوں کے کیا فرائض، قواعد اور حقوق ہیں؟ کیا تمام لوگ پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے ہیں؟ آمریت، سیاست وجمہوریت کے اختلافات کون کون سے ہیں؟ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ پاکستانی سیاست میں فوج کی مداخلت ہمیشہ رہی ہے۔ ایک مخصوص گروہ کے جذبات، احساسات اور خیالات کی بنا پر سیاست کو آگے منتقل کیا جاتا رہا۔ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام پاکستان کا مقصد برصغیر کے مسلمانوں کا اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا تھا۔ تاریخ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت نے قیام پاکستان کے لیے تمام لوگوں سے ووٹ کی اپیل کی۔ قیام پاکستان کے لیے جتنی بھی مشکلات درپیش آئیں یہ ان منصوبوں کا حصہ نہیں تھیں جو پاکستان بننے کے لیے بنائے گئے تھے۔ ہماری تاریخ کی ایک بڑی برائی یہ بھی رہی ہے کہ تاریخ میں مذہب کو ہتھیار بنا کر استعمال کیا جاتا رہا ہے یعنی جہاں بھی ذاتی مفاد دیکھا جائے تو مذہب کو اپنے ذاتی مفاد سے لنک کر کے اپنے ذاتی مفاد کو بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کس طرح جامعہ الزہرا اور شام سے لے کر مدرسہ دیوبند تک فتوؤں کی لمبی اور سبق آموز کہانیاں تاریخ کا حصہ ہیں اور ۷۰ء کی دہائی میں کس طرح ماضی میں فتوؤں کی سیاست سے مختلف اعتبار متاثر ہوئے۔ جیسے مغلیہ حکومت نے دنیاوی رنگینیوں کے لیے اپنا سب کچھ کھو دیا تھا بلکل اسی طرح آج کی نوجوان نسل بھی کاہلی اور سستی سے اپنا سب کچھ کھوتی جارہی ہے۔ تاریخ میں معیشت پسندی کو بھی مساوی حیثیت حاصل ہے۔ اگرچہ برطانیہ کا عوام کی زندگی میں اور عوام کے معاملات میں مداخلت ایک نارمل عمل بن گیا ہے۔ اسی بنیاد پر انتظامی امر میں نااہلی

دکھائی دیتی ہے۔ حکومت میں فرق محسوس کیا جانے لگا اور وہی فرق آج تک ہماری حکومت اور فوج میں شامل ہے۔ پاکستانی تاریخ میں سیاسی پارٹیوں میں گزرنے والے حالات سے پاکستان کے لوگ واقف ہیں ایوب خان کے دور حکومت سے موجودہ دور حکومت پی ٹی آئی تک انجان کسی بھی دور میں نہیں رہے۔ تمام پارٹی کو مشکلات کا سامنا ہمیشہ سے رہا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ سیاسی پارٹیوں کی قیادت کو جب بھی مسائل کا سامنا ہوا ہر پارٹی نے عوامی مفاد کی بجائے اپنے ذاتی مفاد کے لیے عوام کو ہمیشہ استعمال کیا۔

ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم " قابل فخر، منفرد یوم پاکستان " میں تاریخی حوالے سے بات کرتے ہیں۔

> " ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک ۷۲ سال گزرنے کے باوجود پاکستان میں بھارت جس طرح کی مداخلت کر کے عصبیت کو ہوا دے رہا ہے اس کی ایک لمبی تاریخ ہے اور اپنی اس واردات میں وہ ایک بار کامیاب ہو کر پاکستان کو دولخت کر چکا ہے مگر اب کی بار بار بھارت کو ایک نئے پاکستان کا سامنا تھا۔ " ۲۰

انسانی تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ سرزمین پاکستان میں غربت کا مسئلہ نیا نہیں بلکہ کئی برسوں اور دہائیوں سے چلا رہا ہے۔ غربت میں بھی سب سے بڑا مسئلہ آبادی میں اضافہ ہے۔ دوسری وجہ وسائل کی کمی کا اور وسائل کا چند ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ جانا ہے۔ سب سے بنیادی مسئلہ عقل و شعور کی کمی ہے کہ ہمارے لوگوں میں اتنا شعور نہیں ہے کہ وہ اپنے ماضی کی تاریخ کو سمجھ کر اپنے حال و مستقبل کو روشن بنا سکیں۔

۲۰۱۸ء کے انتخابات بھی اب تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں۔ اس سے پہلے بھی جو حکمران اقتدار میں آئے انھوں نے اپنے ماضی کی نسبت خود کو بہترین ثابت کرنے کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ تاریخ کا اہم اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی شخص چاہے وہ عوام میں سے ہو یا حکمرانوں میں سے، ماضی کے حالات و واقعات کے مطابق ان سے سیکھ کر اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

۳) علمی و ادبی موضوعات

تعلیم کتابوں میں لکھا ہوا وہ سبق جسے پڑھ کر کوئی بھی نوجوان اپنے مستقبل کی منازل کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ علم وہ ہنر کہ جس سے انسان اپنی سوچ و سمجھ میں وسعت پیدا کرتا ہے۔ اپنی اچھی سوچ کو

صرف اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ اس سے معاشرے کے باقی افراد کو بھی فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ ادب وہ صلاحیت کہ جو کسی بھی زبان کے اظہار کے لیے ضروری ہے۔

ادب عربی زبان کا لفظ ہے۔ انگریزی میں ایسے لٹریچر کہتے ہیں۔ ادب کے لفظی معنی

"تعظیم، عزت کرنا تہذیب اور شائستگی کے ہیں۔" ۲۱

اصطلاح میں احساسات، جذبات اور خیالات کو نہایت خوبصورت اور دلکش مناسب، موزوں و دلپذیر الفاظ میں بیان کرنے کو ادب کرتے ہیں۔

قومی انگریزی اردو لغت میں لفظ لٹریچر کے معنی یہ لکھے ہیں

"ادب، ادبیات، تحریروں کی وہ قسم جس میں تخیلی اظہار، جمالیاتی ہیئت، نظریاتی ہم آہنگی اور دوام کی خصوصیات شامل ہوں جیسے افسانوی ادب، شاعری، رومانس اور ڈرامہ۔" ۲۲

ادب زندگی کا خلاصہ ہے حقیقی زندگی میں جو کچھ بھی ہو رہا ہوتا ہے۔ ادیب اسے الفاظ کی صورت میں ڈھال دیتے ہیں۔ ادب کے خالق ادیب اور شاعر حضرات ہوتے ہیں۔ ادب کا زندگی کے ساتھ اہم اور مضبوط ترین رشتہ ہے۔ ادب زندگی میں موجود سبھی رنگینیوں کو اپنے اندر سمو کر ایک نئے رنگ سے پیش کرتا ہے۔ ہر دور کی تہذیب و تمدن کے معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر اس دور کا ادب اپنے معاشرے کی تہذیب و تمدن کو ہی پیش کر رہا ہوتا ہے۔ کچھ مفکرین کے نزدیک ادب کو ہر طرح کے فوائد سے آزاد ہونا چاہیے لیکن کچھ مفکرین کا کہنا ہے کہ ہماری زندگی میں رونما ہونے والے معاملات کا ادب پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ جس طرح کے معاملات ہماری زندگی میں ہوں گے ادب بھی اسی طرح کا ہوگا۔

بنو امیہ کے دور میں ادبی کاموں میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور دور حاضر میں ادب کو خاص معنی دے دیئے گئے ہیں۔ دور حاضر کے مطابق ضروری ہے کہ ہمارے ادب میں جذبات اور احساسات ہوں اگر ادب جذبات و احساسات سے محروم ہوگا تو کوئی بھی تحریر ادبی تحریر نہیں کہلائی جاسکے گی۔ تخلیق انسان کی فطری خواہش ہے انسان کی اسی خواہش کی بنا پر آرٹ نے جنم لیا۔ آرٹ اور دوسرے علوم صرف اس بات کی بنا پر ایک دوسرے سے مختلف مانے جاتے ہیں کہ آرٹ میں کسی بھی طرح کے مالی فائدہ کا حصول نہیں ہے بلکہ آرٹ بے غرض خوشی سے حاصل کی جاتی ہے۔

میتھیو آرنلڈ ادب کی تعریف اس طرح سے کرتا ہے۔

"آداب آرٹ کی وہ شاخ ہے جسے "فن لطیف" بھی کہتے ہیں. میتھیو آرنلڈ کے نزدیک وہ تمام علوم جو کتب کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے ادب کہلاتا ہے۔"۲۳

ادب چونکہ انسانی زندگی کی ہی نمائندگی کر رہا ہوتا ہے۔ ادب معاشرے میں گزرنے والے حالات کی اور معاشرے کے لوگوں کی سوچ و فکر اور نظریے کی بھی نمائندگی کر رہا ہوتا ہے۔ ادب معاشرے کے ساتھ ساتھ ادیب کی زندگی کی بھی نمائندگی کر رہا ہوتا ہے۔ کسی بھی انسان کی زندگی پر بہت سارے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں جیسا کہ مذہب، معاشرتی قدریں، انسانی سوچ اور ماحول۔ اردو زبان پر مشتمل ادب کو ہم اردو ادب کہتے ہیں۔ اس میں نثر اور شاعری دونوں اصناف شامل ہوتی ہیں۔ اردو ادب میں نثری اور شعری ادب برابر اہمیت رکھتے ہیں۔ اردو کی پانچ بڑی شخصیات میں مولانا شبلی نعمانی، سر سید احمد خان، مولانا حسین آزاد ،مولانا الطاف حسین حالی اور ڈپٹی نذیر احمد ہیں ان اہم شخصیات نے اردو ادب میں نئی نئی اصناف لائیں۔ سادہ زبان متعارف کروائی۔ ان سب کی اہم خاصیت ہے کہ ان لوگوں نے معاشرے کے عام لوگوں کے مسائل کو بھی ادب میں اجاگر کیا اور انہیں کی کوششوں کی بدولت ادب نئی پہچان کے ساتھ ترقی یافتہ نام کے ساتھ دنیا میں پہچانا جاتا ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد سب سے بڑا واقعہ جو دیکھنے کو ملا وہ ہجرت کا تھا لوگوں کی بڑی تعداد نے ہجرت کی۔ کچھ لوگوں نے ہندوستان سے پاکستان اور کچھ لوگوں نے پاکستان سے ہندوستان کی طرف نقل مکانی کی۔ اسی ہجرت کے دوران مختلف قسم کے واقعات رونما ہوئے اور ان رونما ہونے والے واقعات کے بعد اردو ادب پر ان واقعات کے بارے میں لکھا جانے لگا۔ جیسے کہ ناول اور افسانوں کی طرز میں۔ زیادہ تر افسانہ نگاروں نے ان تمام رونما ہونے والے واقعات میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے ان سب کی ذمہ داری انگریزوں کے نام کی۔ غیر جانبداری برتنے کی کوشش کی اور ظاہر یہ کروایا کہ ان تمام فسادات کی بنیاد نہ تو مسلمان تھے اور نہ ہی ہندو بلکہ ان تمام فسادات کی بنیاد انگریز تھے۔ وہ وقت کہ جب ہجرت کے موضوع پر بہت زیادہ لکھا جا رہا تھا۔ تب محمد حسن علی عسکری نے یہ اعلان کیا کہ یہ جو فسادات ہوئے ہیں ان کے عنوانات پر افسانہ نہیں تشکیل دیا جا سکتا۔ ہجرت کے عنوان پر جتنا بھی پہلے کام ہوا تھا یعنی اس وقت فسادات کے عنوان سے جتنے بھی افسانے لکھے گئے وہ افسانے ادب کا حصہ ہی نہیں بن سکتے۔ ہجرت کا ایک بڑا

اثر یہ رہا کہ اس کے بعد اردو ادب پر لکھی جانے والی تمام تحریروں میں دکھ کی کیفیت، اپنوں سے بچھڑنا اور اداسی نظر آتی رہی۔ پاکستان بننے کے بعد پاکستانی قوم نے اپنی ایک الگ پہچان بنانے کی کوشش شروع کر دی لیکن پاکستانی قوم کو سیاسی کمزوری کی بنا پر اپنی مدد آپ کے تحت کام نہیں کرنے دیا گیا۔ اسی سیاسی عدم استحکام کی بنا پر جنرل ایوب نے ملک میں مارشل لاء لگایا اور اس کے بعد تقریروں پر پابندی لگا دی گئی۔ اس مارشل لاء کے دور میں مزاحمتی ادب کا آغاز ہوا جس پر شاعروں اور ادیبوں نے مارشل لاء کی مخالفت پر اپنا قلم اٹھایا۔ جنرل ایوب نے تمام شعراء حضرات کو مطمئن کرنے کے لئے "پاکستان رائٹر گلڈز" کے نام سے ایک ادارہ بنایا تاکہ تمام شعراء حضرات کی حمایت حاصل کر سکیں۔ مزاحمتی ادب کی بنیاد جنرل ایوب کے دور میں رکھی گئی۔ مختلف شعراء نے اپنی شاعری کے ذریعے مارشل لاء پر مزاحمت کی۔ کہنے کو تو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیا کے نقش قدم پر نمودار ہوا تھا مگر اس کی مثال تیسری دنیا کی جیسی ہے وہ دنیا کے جہاں بہت سے ایسے مسائل موجود ہوتے ہیں جن کی بدولت آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی اس تیسری دنیا کی عوام کسی نہ کسی بوجھ تلے دب کر رہ جاتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے ادیب ترقی پسند اور حلقہ ارباب ذوق جیسے گروہوں میں بٹ گئے۔ ترقی پسند گروہ ترقی کی نئی راہیں ایجاد کرنے کے لئے ادب کو استعمال کرنے لگا یعنی تبدیلی کے لیے ادب کو لکھا جانے لگا۔ حلقہ ارباب ذوق کے مطابق ادب برائے ادب ہونا چاہیے تھا۔ اسی دور میں کچھ لوگ ترقی پسند گروہ کے تو قائل تھے ان کے بنیادی نظریات سے اختلاف رکھتے تھے۔ پاکستانی ادب ابھی آگے کی جانب گامزن تھا۔ اسی دوران حسن عسکری نے ادب کے لیے کہا" ادب میں جمود آ چکا ہے "یعنی ہمارا ادب وہ تمام چیزیں لکھ رہا ہے جو ایک ہی نقطے کے گرد گھومتی رہیں۔ انیسویں صدی مشرقی و مغربی روایات کے اختلافات کا دور ہے۔ اسی صدی میں مغربی روایات اور ادب مشرقی روایات و ادب پر سبقت لے گئیں۔ پاکستانی ادب کے جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ادب میں بھی کئی ایسی اصناف ہیں جنہوں نے مغربی معاشرے سے ہی نمو پائی ہے۔ ۱۹۶۰ء میں پاکستان میں مارشل لاء کا دور تھا تو دوسری طرف مغرب کی کامیابیوں سے مستفید ہونے کی کوشش میں پاکستان میں بھی صنعت کاری کے نظام کا آغاز ہو رہا تھا۔ ۲۰ء کی دہائی میں ادبی منظر نامے پر نئے اقدامات دیکھنے کو ملے اور اسی دہائی میں ایک نئی صنف جدیدیت کے نام سے سامنے آئی۔ اس دور کے ادیبوں نے اپنے تحریری موضوعات کو جدیدیت کے ساتھ جوڑ کر کے سامنے لایا پھر ۶۰ء کی دہائی میں جو نسل منظر عام پر آئی اس نے اپنے آپ کو غیر نظریاتی کہا یعنی پہلے کے دور میں کردار حقیقی

ہوتے تھے لیکن اس دور میں کردار سائے بن کر کہانیوں سے رخصت ہو گئے اور کہانیوں میں تخیل نے جنم لیا ۔لاہور میں پی ٹی وی ہاؤس کو شعراء کی بیٹھک کہا جانے لگا اسی بیٹھک سے ادیبوں کی ایک نئی کاوش نئی لسانی تشکیلات کے نام سے منظر عام پر آئی ترقی پذیر ممالک میں ادیبوں کے ہاتھ کئی بیڑیوں سے بندھے ہوتے ہیں اگرچہ جنرل ایوب کے دور میں بھی ادیبوں کو لکھنے پر مختلف انداز سے اپنے کہے ہوئے الفاظ کا مداوا کرنا پڑ رہا تھا وہ وقت کہ جب ادیبوں کو معاشرے سے الگ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی تو اس وقت علامتی ادب جیسی صنف کا جنم ہوا۔اسی علامتی ادب میں ادیبوں نے کھلے عام اختلاف کی بجائے علامت کا سہارا لیا اور علامت نگاری کی وجہ سے پڑھنے والے کا رجحان ادب سے ہٹتا گیا لیکن اس کے باوجود یہ لکھا جاتا رہا۔ یہاں پڑھنے والوں کی دلچسپی بنائے رکھنے کے لیے باہر کے ممالک کے ادب کے تراجم کا سہارا لے جانے لگا اور اسی ادب سے ایک ایسا ادب منظر عام پر آیا جو کہ مزاحمتی اور احتجاجی و علامتی دونوں اصناف پر مشتمل تھا۔ ایسے غیر ملکی کالم نگاروں اور شعراء کا چناؤ کیا جانے لگا جو کہ آزادی کی راہ پر چلنا چاہ رہے تھے۔

تہذیب و تمدن کو پروان چڑھانے کا ذریعہ زبان ہی ہے۔ ادب کسی بھی معاشرے میں موجود تہذیب و تمدن اور ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔

> "ودود قریشی نے جتنے بھی کالم لکھے بے خوف و خطر لکھے۔ ان کالموں کے سیاق و سباق میں نہ تحریض ہے نہ ترغیب۔ اس میں اس کی زندگی اور سماج سے کمٹمنٹ کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ کالم لکھنے کے بعد اپنے آشوب بیان کا متن کسی ممدوح کو دیکھا کر یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ بھائی ذرا اخبار کے قہر سے۔۔۔"۲۴

علم کے پھیلنے میں بڑی رکاوٹ تب آتی ہے جب کسی بھی ملک کے حکمران خود کو وارث سمجھنے لگتے ہیں اور اس ملک میں موجود ہر چیز کو اپنی ملکیت گردانتے لگتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرہ پسماندگی کا شکار ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو پاتا۔ علم و ادب سے انحراف کرنے کے لیے پورے معاشرے کی ضرورت نہیں ہوتی کسی ایک شخص کا ذہن جن گم نام راہوں پر چلتا ہے وہ پورے معاشرے میں بدامنی، بدعنوانی پھیلانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ علم و ادب ہی وہ کنجی ہے جو کسی بھی انسان و معاشرے کو شعور، فہم و فراست دے سکتی ہے۔

علم و ادب کو تاریخ سے جدا کر کے بیان نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی صاحب علم انسان اپنی تعلیم کو اچھے طریقے سے بروئے کار نہیں لاتا تو یقیناً اس کے لئے حاصل کردہ علم کسی بھی قسم کے فائدے سے عاری ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم "جب ذرائع ابلاغ سراپا احتجاج ہیں۔۔۔ سیمینار کا مشورہ کس نے دیا۔" میں لکھتے ہیں۔

"ذرائع ابلاغ کو جمہوری کردار سمجھانا صحافیوں کو برا لگا کیونکہ اخبارات تو ہمیشہ ہی جمہوریت کی بات کرتے رہتے ہیں اور کوئی اخبار خواہ وہ کسی فوجی کا کیوں نہ ہو آمریت کا مطالبہ نہیں کرتا۔"۲۵

معاشرے میں موجود تمام عوامل کو ایک ادیب یا لکھاری ہی اس انداز سے بیان کر سکتا ہے جس طرح ایک عام آدمی نہیں کر سکتا۔ معاشرے میں کسی بھی قسم کی برائی ہو یا کسی بھی شخص سے منسلک ہو وہ قابل قبول نہیں ہوتی۔ علم ہی وہ سیڑھی ہے جس پر چل کر کسی بھی معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں سے پستی کو علم و ادب کی بدولت ہی مٹایا جا سکتا ہے۔ ان تمام عوامل کے پیچھے علم و ادب کے اندر فلسفہ انتہائی اہمیت رکھتا ہے اور فلسفے ہی کی بنیاد پر تمام چیزوں کو گہرائی سے دیکھا اور جانچا جا سکتا ہے۔ علم و ادب ہی کی وجہ سے ہم دشمن کے خطرناک عزائم جان سکتے ہیں۔ علم و ادب ہی سے ہم اپنے ملک کو ترقی کی راہ سے ہم کنار کروا سکتے ہیں۔ ایسی ٹیکنالوجی کا استعمال کیا جاتا ہے کہ جس سے دشمن کے برے عزائم کا مقابلہ کیا جا سکے۔ انیسویں صدی کے آغاز کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے لوگ نہ صرف مجرمانہ پیشے میں ملوث تھے بلکہ مذہبی عقیدت اور ہر طرح کے جذبات سے مالا مال تھے اور ملک میں امن و امان قائم کر کے ان لوگوں کو مٹانا ضروری ہو گیا تھا۔ جن کی ملک سے صفائی کا ذمہ اس وقت کے ایک نوجوان ولیم وی ہنری سلیمن نے لیا۔ یہ معاملات صرف جنگ ہی سے جڑے نہیں تھے بلکہ ان معاملات نے زندگی کے ہر پہلو کو بری طرح سے متاثر کیا ہوا تھا۔ دوسری عالمی جنگ میں ایک تہائی سے زیادہ یورپ فتح ہو چکا تھا اور برطانوی جزیرہ نازی صرف وہ جزیرہ تھا جو جرمنی کے خلاف کھڑا تھا۔ یورپ کو ہٹلر نے فتح کیا اس کے بعد ہٹلر اس سوچ میں تھا کہ کیا برطانوی وزیر اعظم اس سے رابطہ کرے گا یا نہیں۔ اپنی ایک تقریر میں بھی ہٹلر نے کہا کہ میری اتنی کامیابیاں دیکھنے کے بعد جنگ کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جواب میں برطانیہ کے وزیر اعظم نے کہا تھا کہ جنگ کی اصل وجہ پولینڈ نہیں بلکہ ہٹلر خود تھا۔ نصاب علم و ادب میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اگر نصاب ہی غلط

پڑھایا جائے تو اس علم کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ تعلیم یافتہ طبقہ بھی غلط نصاب پڑھ کر اپنے مفاد کی خاطر اس تعلیم سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ ملک پاکستان کے نصاب میں بھی کئی چیزیں کم ہونے کی وجہ سے مساوی تعلیم ہر ایک تک نہیں پہنچ رہی۔ ہمیں تعلیم میں ایسی تبدیلیاں لانی چاہیے جن کی وجہ سے تعلیم ہر فرد تک پہنچ سکے اور ہر کوئی فائدہ اٹھا کر اپنا مستقبل بہتر بنا سکے۔ علم ادب میں کمی کی اہم وجہ آمریت کا نظام بھی ہے۔ ہر آنے والی حکومت جمہوریت کا نعرہ تو لگاتی ہے لیکن جمہوریت کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ علم و ادب کو مزید فروغ دینے کے لیے سیاست سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ سیاست میں ہر روز ایک نیا نعرہ عوام کو بہلانے کے لیے لگا دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم "سیاسی جماعتوں میں بھی جمہوریت" میں لکھتے ہیں۔

> "کسی بھی سیاسی جماعت کا ریکارڈ اچھا نہیں اور سیاسی جماعتوں کے ارکان اپنی جماعتوں کی نہ تو باقاعدہ طور پر کوئی تنظیم کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں انتخابات نام کی کسی چیز کا رواج ہے اس سے ملک میں آنے والے طالع آزماؤں کو تقویت ملتی ہے۔"۲۶

علم و ادب کا ذرائع ابلاغ وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے کسی بھی قسم کے پہلو پر آسانی سے بات کی جا سکتی ہے جیسے کہ تہذیب و تمدن، رہن سہن، ثقافت، عادات و روایات، سائنس، تاریخ سیاست، معاشیات ، اقتصادیات وغیرہ۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہی سے ایک علاقے کی تہذیب و ثقافت کو دوسرے علاقوں تک آسانی سے پہنچایا جا سکتا ہے۔ ذرائع ابلاغ ہی وہ جزو ہے جس کے ذریعے مختلف معاشرے ایک دوسرے کے ساتھ ایک تعلق میں بندھے ہوئے ہیں اور علم و ادب ہی کے ذریعے ایک دوسرے کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ عبدالودود قریشی اپنے کالم "آج کی بات" میں لکھتے ہیں۔

> "عمران خان نے کوئی بھی فیصلہ عجلت میں نہیں کیا بلکہ اس کے لئے کئی بار حساس اداروں اور پارٹی کے لوگوں سے رپورٹس لی جنھوں نے بتایا کہ حقائق سے بے تکا انکار اور دیگر سیاسی جماعتوں کے حق میں بعض وزراء کے پیہم جھوٹ اور دروغ گوئی کی وجہ سے ان کی سہاکھ نہیں ہے۔"۲۷

علم صرف ڈگری یافتہ لوگ ہی رکھ سکتے ہیں لیکن ادب آدمی کو ذی شعور انسان بناتا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں قانون و قواعد علم ہی کی بدولت نافذ کئے جا سکتے ہیں تو ادب ان قوانین اور پالیسیوں کو اپنانے کی تجویز دیتا ہے۔ ہر انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ علم حاصل کرے اور اپنی مرضی سے کسی بھی شعبے میں علم حاصل

کرے لیکن ادب کو اپنا کر معاشرے کو صحیح راہ پر چلانا ہر انسان کا بنیادی فرض ہے۔ انسان چاہتا تو ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم یافتہ بنا کر مہذب شہری بنائے اس مقصد کے لئے اعلی تعلیمی اداروں میں بھیجتا ہے لیکن یہ ادارے صرف تعلیم دیتے ہیں بچوں کے ذہن کو پروان چڑھانا صرف ادب اور معاشرے پر ہی منحصر ہے۔ جیسے سائنس کے مضامین پڑھنے سے سیاستدان تو بنا جا سکتا ہے لیکن مسلمان ہونا معاشرے اور مذہب پر منحصر ہے اسی طرح صحافت بھی علم و ادب کی ایک اہم قسم ہے اس کا مقصد صرف پیسوں کا اصول نہیں بلکہ اس کا مقصد رنگ و نسل، اونچ نیچ سے بالاتر ہو کر ہر شخص کے لئے انصاف کی آواز بلند کی جائے۔ ڈاکٹر عبد الودود قریشی اپنے کالم "میرے سو کالم کیا، کیا کھویا کیا پایا" میں رقمطراز ہیں۔

> " میں نے ہمیشہ تحریر کے دوران کوشش کی ہے کہ اپنے ذاتی احساسات اور جذبات کو الگ رکھتے ہوئے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں مستقبل پر مرتب ہونے والے اثرات اور خطرات سے آگاہ کر دیا جائے۔۔۔ جہاں سرکاری ادارے بد دیانتی کے مرتکب اور فرض شناسی سے غافل ہوں کی نشاندہی کروں۔"۲۸

جمہوریت بھی علم و ادب کا ہی ایک حصہ ہے ہر شخص اپنا علیحدہ حق رکھتا ہے۔ اسی بناء پر ہر شخص، خطے اور قوم کو مساوی حقوق مہیا کیے جاتے ہیں۔ ہر شخص خواہ معاشرے کا تعلیم یافتہ شخص ہو یا ان پڑھ اپنے فائدے کی خاطر چیزوں کو سوچ سمجھ کر ان سے کام لیتا ہے۔ اور معاشرے کے تمام لوگوں پر یکساں قانون نافذ ہوتا ہے. تعلیم و تربیت کے ساتھ معاشرے کے افراد کی ضروریات، خوشیوں اور آزادیوں کو پورا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ کسی بھی معاشرے کے اہم رکن ادیب ہوتے ہیں۔ ادیب ہی وہ انسان ہے جو معاشرے میں ہونے والے حالات و واقعات کو خاص نقطہ ء نظر سے سمجھ اور جانچ کر بہترین لفظوں کے ذریعے پڑھنے والوں تک پہنچاتا ہے۔ اس میں زبان کا اہم کردار ہے۔ ادیب کسی بھی تحریر غزل، نظم یا نثر کے ذریعے عوام کے سامنے معاشرے کی عکاسی خوبصورت انداز میں کرتا ہے۔ مختلف ادیبوں نے جیسا کہ میر امن نے اپنی داستان "باغ و بہار" قرات العین حیدر نے ناول " آگ کا دریا" اور سعادت حسن کا افسانہ "نیا قانون" میں معاشرے کی عکاسی بہترین الفاظ کے ساتھ کی ہے. زبان کے چناؤ سے بالاتر ہو کر ادب کسی بھی صورت میں ہو وہ اپنے معاشرے کی تصویر بیان کرتا ہے۔ آج کا دور آرام پسند دور ہے جس میں ہر شخص چاہتا ہے کہ ہر کام بیٹھے مل جائے جدید ٹیکنالوجی نے انسان کو کاہل اور سست بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ موجودہ دور کی

ضروریات کمپیوٹر بھی پوری کر رہا ہے آج کے دور میں کمپیوٹر کے علم کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے جس کا نقصان یہ ہے کہ نئے دور کے انسان کو تو بہت اہمیت دی جا رہی ہے جبکہ پرانے دور کے انسان کو وہ درجہ نہیں مل رہا جو اسے ملنا چاہیے۔ نصاب راہ گزر ہے اور منزل ہے یعنی وہ منزل جسے نصاب پر چل کر حاصل کیا جاتا ہے۔ علم کے ذریعے نصاب کو اپناتے ہوئے انسان زندگی کی منزل تک پہنچتا ہے لیکن آج کل کے دور میں تعلیم کا برا پہلو یہ ہے کہ آجکل کا نظام تعلیم صرف ڈگری یافتہ لوگ پیدا کر رہا ہے تعلیم یافتہ لوگ نہیں پیدا کر رہا۔ آج کل کے بچے علم کے ذریعے ڈگری تو لے لیتے ہیں لیکن وہ احساسات وجذبات سے بہت دور ہوتے ہیں۔ اپنی ڈگری کی بدولت بچے خود کو بڑی مخلوق تصور کرنے لگتے ہیں لیکن بہتر اخلاقیات کا درس ہمیں ڈگری نہیں معاشرہ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے حالات کا تقاضہ ہے کہ جمہوریت میں عام لوگوں کو بھی برابر کے حقوق دیئے جائیں تاکہ معاشرے میں یکساں نظام فروغ پا سکے۔ برابر حقوق تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقیات پر بھی بھرپور توجہ دینے سے مل سکتے ہیں۔ کسی بھی ملک یا معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا صرف علم ہی کی بدولت ممکن ہے۔ یہ علم ہی ہے جس سے انسان نے ٹیکنالوجی کے دور میں قدم رکھا اور آج کے دور کو ٹیکنالوجی کا دور بنایا۔ انسان اپنے جسم کو ڈھانپ بھی نہیں سکتا تھا تعلیم ہی کی بدولت انسان ترقی کرتے آج کے سائنسی دور کا حصہ ہے۔ ادب اور علم کو آج بھی تعلیم کے لئے سیکھا جا رہا ہے۔ اخلاقیات اپنانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی جاتی۔ ذہنوں میں شعور تو ہے لیکن لوگ صفوں کو درست کرنے میں بھی دوسروں کی عزت احترام کرنا نہیں جانتے۔

۴) حالات حاضرہ پر لکھے جانے والے کالم

حالات حاضرہ سے مراد ہے موجودہ ملکی وغیر ملکی صورتحال۔ ایک کالم نگار، شاعر اور ادیب ملک میں رونما ہونے والے حالات و واقعات چاہے وہ سیاسی ہوں یا کسی بھی نوعیت کے اپنے احساسات و جذبات کے ذریعے پڑھنے والوں تک پہنچاتے ہیں۔ڈاکٹر عبدالودود قریشی نے اپنے کالموں میں صرف سیاست، ادب، تاریخ اور سماج کے موضوعات پر ہی نہیں لکھا بلکہ حالات حاضرہ کے عنوانات پر بھی لکھتے رہے ہیں ۔ عبدالودود قریشی بہت وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔ ان کا تجربہ اور مطالعہ زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کیے دکھائی دیتا ہے۔ اعلیٰ درجے کے صحافی ہونے کی حیثیت سے ہر خبر پر ان کی کڑی نظر ہوتی ہے اس لیے جو تحریری مواد اور حالات حاضرہ سے متعلق موضوعات ان کے کالموں کا حصہ ہوتے ہیں وہ دوسرے کالم نگاروں کی تحریروں میں کم دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی نے زندگی اور معاشرے کے ہر پہلو کو مد نظر رکھتے

ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے اپنے کالموں میں ملک کی سیاسی اور معاشی صورتحال کے عنوانات پر کھل کر لکھا ہے۔ انہوں نے انتہائی سادہ زبان میں ایسے الفاظ کا چناؤ کیا جس سے پڑھنے والا آرام سے ان کی بات کا بنیادی مقصد سمجھ سکتا ہے۔ چونکہ کالم لکھنے کے لیے تفصیل اور مکمل معلومات رکھنا ضروری ہیں صرف موضوع قائم کر کے لکھا جانے والا کالم مکمل کالم نہیں کہلایا جاسکتا۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی صحافت کے شعبے میں وسیع معلومات رکھتے ہیں لہذا حالات حاضرہ سے متعلق کالموں کے موضوعات سے پڑھنے والے خوب لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کے لکھے گئے کالموں کے مجموعے میں حالات حاضرہ سے متعلق موضوعات میں، ۲۳ مارچ کی پریڈ۔۔۔ ایٹم بم دیکھنے کی خواہش، ذرائع ابلاغ سراپا احتجاج ہیں۔۔۔ سیمینار کا مشورہ کس نے دیا، مسلمانوں کی علامت۔۔۔ فتح خوست کے شریک، حکمران عوام پر انحصار کریں، سیاسی جماعتوں میں بھی جمہوریت، سیاستدانوں کا عدالتی احتساب، آسلام آباد کی ٹریفک کا کیا ہوگا۔۔۔؟، مثالی شہر میں مثالی حقیقتیں، سرکاری وکیل بھی غریب پر بوجھ، مستقبل میں پنشن تنخواہ سے دوگنی ہوگی، تنخواہ دار طبقے کے ساتھ ہاتھ۔۔۔ اخبارات اور کنٹریکٹ، عدالتوں کی توہین کا فیشن، آئی جی پنجاب کا تبادلہ۔۔۔ وزیر اعظم کی ناراضگی، نیا امریکی سکینڈل ۔۔۔ خطرہ روس نہیں اسلام، اپنی ذمہ داری محسوس کریں ورنہ حالات بگڑیں گے، وزراء کی غلط بیانیاں۔۔۔ لوڈ شیڈنگ، پولیس والوں کی ڈکیتی۔۔۔ اسلام آباد میں عقوبت خانے اور روزنامہ ایشین نیوز کے موضوعات میں ایف اے ٹی ایف میں ہمیں کس نے اور کیوں پھنسایا، ایرانی جنرل کی شہادت، خطرات بڑھ گئے، تقرری کا بحران جھوٹ اور فرنگی کی زبان، کشمیر پر بھارتی جھوٹ کھل گیا، ایسٹر کے موقع پر سری لنکا میں دھماکے، آج کی بات، نیوزی لینڈ مساجد پر حملے، بھارتی بحریہ بھی صفر نکلی، پاک بھارت جنگ دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی، خالصتان کا ریفرنڈم اور بھارت کی بوکھلاہٹ، استصواب رائے کے لیے تاریخ مقرر کروایئے شامل ہیں۔ ان تمام موضوعات کے ساتھ کہیں اور موضوع بھی آپ کے کالموں کا حصہ ہیں۔ عبدالودود قریشی اپنے کالموں میں ملکی داخلی حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ دوسرے ممالک کے داخلی و خارجی حالات و واقعات کے بارے میں بھی عمدگی سے معلومات فراہم کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کالم "نیا امریکی سکینڈل۔۔۔ خطرہ روس نہیں اسلام" میں لکھتے ہیں۔

> "امریکیوں کی خام خیالی ہے جیسے وہ واٹر گیٹ سکینڈل اور ایران سے اسلحہ کی ڈیل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خفیہ سمجھتے تھے روس نے نہ تو امریکیوں کے سامنے گھٹنے ٹیکے ہیں اور نہ ہی ہمیشہ

ہمیشہ کے لئے بیٹھ گیا ہے بلکہ اس نے اپنی عوام کی فلاح و معیشت کو نا قابل تسخیر بنانے کے لئے ریچھ کی طرح کروٹ لی ہے۔"۲۹

کسی بھی ملک کی کامیابی میں معیشت کا اہم ترین کردار ہوتا ہے۔ اگر ملکی معیشت طاقتور ہے تو ترقی کا عمل تیزی سے ہوتا ہے جبکہ اگر ملکی معیشت ہی کمزور ہے تو ترقی رک جاتی ہے اور وہ ملک معاشی طور پر بستی کی طرف جانا شروع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی نے اپنے کالموں میں ملکی معاشی مسائل پر تفصیل سے لکھا۔ حکومت کو ملک کی اقتصادی اور معاشی حالت میں خوشحالی اور بہتری کی طرف لانے کی ضرورت ہے تاکہ پاکستان ترقی کر سکے۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم "حکمران عوام پر انحصار کریں" میں کہتے ہیں۔

" حکومت نے عوام کو خود انحصاری کے معاملے میں اعتماد میں نہیں لیا ورنہ ہمارے ہاں کے لوگ تو ہیں ہی خود انصار۔۔۔ صاحب اقتدار اپنے محافظوں کے ہاتھوں میں امریکی اور روسی ہتھیاروں کی بجائے واہ فیکٹری کا اصلاح دیں اور اگر بات زیادہ سنجیدہ ہو تو پھر اپنے عوام حکمرانوں پر انحصار کرتے ہوئے یہ نہیں پوچھتے۔۔۔ تو حکمران عوام پر انحصار کریں۔۔۔ پھر ان کو خود معلوم ہو گا کہ خود انحصاری میں کتنی طاقت، جوش اور خلوص ہے۔"۳۰

ایک باشعور انسان جب علم و ادب سے آگہی حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے معاشرے کو ترقی یافتہ بنانے کے لیے کوششیں کرتا ہے۔ مغلیہ دور کی سلطنت کسی بھی ملک کی سلطنت سے کم نہیں تھی لیکن آخری بادشاہ نے اپنی رنگینیوں میں ڈوب کر رعایا پر توجہ نہ دی تو وہاں کے لوگ نقل مکانی کر کے مختلف جگہوں پر رہنے پر مجبور ہو گئے۔ پہلی، دوسری جنگوں میں بھی یورپ نے مسلمانوں کو شکست دی تو مسلمانوں کو اللہ نے آزاد ملک سے نوازا۔ پاکستان بننے کے بعد وقت نے ثابت کیا کہ جن لوگوں کے لئے قربانیاں دے کر ملک بنایا گیا تھا وہ لوگ اس قابل ہی نہیں تھے کہ ان کے لیے آزاد ریاست بنائی جاتی۔ جب کسی بھی ملک کے اندر حالات سے لڑنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ملک آمریت سے بھی جان چھڑا لیتا ہے اور خود کو ترقی کی راہ پر گامزن کر لیتا ہے۔ پاکستان میں دہشت گردوں کا مقصد پاکستانی تعلیمی نظام میں خرابیاں پیدا کرنا ہے تاکہ ملک ترقی نہ کر سکے کیوں کہ تعلیم ہی کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ دہشت گردی کے تمام تر حالات سے لڑنا پاکستان کے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم "نیوزی لینڈ مساجد پر حملے" میں لکھتے ہیں۔

" آزادی کی تحریکوں اور اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو دہشت گردی کے زمرے میں لانے والے سب سے بڑے دہشت گرد ہیں جو دہشت گردی میں ایسی تحریکوں کو شامل کر کے دہشت گردی کے خلاف ہونے والی موثر کارروائیوں میں رخنہ ڈلوانے کا باعث بنتے ہیں۔"۳۱

سیاست میں آمریت کو بلند درجہ حاصل ہے۔ باشعور لوگ ہی کسی بھی ملک و معاشرے میں آمریت کے نظام کو پروان چڑھاتے ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی سیاستدانوں کی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں تاکہ اپنی سہاگ خوب مضبوط کر سکیں۔ اسی طرح فوج بھی اپنے مفادات پورے کرنے کے لیے حکومت کے ساتھ مل کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم " سیاست دانوں کا عدالتی احتساب" میں رقم طراز ہیں۔

"سیاست تو کی ہی اسی لیے جاتی ہے کہ وہ بے لگام ہو جائیں اور جو چاہیں کرتے پھریں، بیورو کریسی کو بھی لگام دینے کے لیے خصوصی عدالتوں کی ضرورت ہے کیوں کہ وفاقی محتسب کی جانب سے کی جانے والی کوششوں پر سرد مہری دکھائی جاتی ہے۔"۳۲

صحافت کا شعبہ اپنے اندر بے بہا خوبیاں رکھتا ہے۔ صحافت کا دائرہ صرف خبر، صحافی یا ٹی وی تک ہی نہیں ہوتا بلکہ صحافت بہت زیادہ وسعت کی حامل ہے۔ ہر فرد یا انسان جو پڑھا لکھا ہو اس کا بنیادی مقصد دوسروں کے سامنے اپنی ذات کو درست طریقے سے پیش کرنا ہے اور اردگرد کی تمام تبدیلیوں کو صحیح انداز میں بیان کرنا ہے معاشرے، ملک و قوم کے سامنے سچائی بیان کرے، دوسروں کے ساتھ جس حد تک ہو سکے تعاون کرے اس سے حق، انصاف، امن، نیک نیتی، سکون، مساوات، برابری اور عدل و انصاف جیسی مخصوص عناصر سے وابستہ صفات پیدا ہوں گئیں۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی اپنے کالم " ایف اے ٹی ایف میں ہمیں کس نے اور کیوں پھنسایا" میں لکھتے ہیں۔

"ایف اے ٹی ایف کے حوالے سے مکمل جائزہ لینا، اس سے جان چھڑانا وقت کی ضرورت ہے ورنہ مستقبل میں یہ ادارہ پانچ ایٹمی ممالک کے علاوہ دیگر ممالک پر ایٹمی ہتھیار رکھنے، جنگی طیارے اور میزائل بنانے پر بھی پابندی لگانے کا ارادہ رکھتا ہے۔"۳۳

عبد الودود قریشی نے معاشرے میں بکھرے بے شمار موضوعات کو اپنے کالموں کا حصہ بنایا ہے ہر ایک کالم نگاران موضوعات تک نہیں پہنچ پاتا۔ ایک اچھا کالم نگار ہی ایسے موضوعات تک رسائی پاتا ہے۔ عبد الودود قریشی نے صحافت و ادب کے میدان میں ہر قسم کے موضوع پر قلم اٹھایا اور صحافت میں بھی لوہا منوایا۔ صحافت کے عمدہ جوہر دیکھا کر ہر طرح کے مسائل کے حوالے سے بات کی۔ آپ کا مطالعہ بہت زیادہ اور نظر گہری ہے۔ آپ نے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے سے لے کر بڑی اور قومی بیماریوں پر بھی موضوعات کو اپنے قلم کا حصہ بنایا۔ عبد الودود قریشی نے زندگی کے ہر شعبے کے موضوعات پر قلم کشائی کی۔ آپ کے کالم صحافت، سیاست، ادب، معاشرت، تاریخ اور حالات حاضرہ کے جھلکتے رنگوں کی قوس قزح ہے۔

عبد الودود قریشی اپنے پیشے اور ادب سے بیک وقت جڑے رہے۔ کسی ایک میں ذرا سی بھی غفلت نہیں برتی۔ اس مقالے کا دائرہ کار" قابل ذکر "کالموں کا مجموعہ، اور روزنامہ "ایشین نیوز "تک محدود ہے ورنہ آپ کے کالم کئی رسائل اور اخبارات کا حصہ ہیں۔

حوالہ جات

۱) عبدالودود قریشی ،ڈاکٹر، سیاست دانوں کاعدالتی احتساب ، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ص ۶۸

۲) ایضاً، سیاسی جماعتوں میں بھی جمہوریت، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، ۱۹۹۴ء، ص ۵۸

۳) ایضاً، کیا حکمران جوابدہ ہو گا، روزنامہ ایشین نیوز، جنوری ۲۰۱۹ء، شمارہ ۲۹

۴) ایضاً، اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں ورنہ حالات بگڑیں گے، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، ص ۱۵۷

۵) ایضاً، پارلیمنٹ اپنا اعتماد کھونے لگی، روزنامہ ایشین نیوز، جون ۲۰۱۹ء، شمارہ ۱۶۸

۶) ایضاً، نواز، زرداری، الطاف حسین زیر حراست، روزنامہ ایشین نیوز، جون ۲۰۱۹ء، شمارہ ۱۶۲

۷) فریڈرک کوپلسٹن، اے ہسٹری آف فلاسفی، ماڈرن فلاسفی ۱۹۷۴ء، ص ۹

۸) عبدالودود قریشی ،ڈاکٹر، فنانس کارپوریشنوں کی لوٹ کھسوٹ اور سود خوروں کا واویلا، قابل ذکر ،کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہو، ۱۹۹۴ء، ص ۵۲

۹) اثر چوہان، لاہور، جدوجہد کی داستان ، قابل ذکر ، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۴

۱۰) عبدالودود قریشی، ڈاکٹر، کرونا وائرس معاشی دہشت گردی، روزنامہ ایشین نیوز، یکم فروری ۲۰۲۰ شمارہ ۳۲

۱۱) ایضاً، راولپنڈی کی جزوی آرائش ، قابل ذکر ،کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۶۱

۱۲) ایضاً، آج کی بات، (ادراک نو)، ۱۴ تا ۲۰ جولائی ۲۰۱۹ء

۱۳) محمد اجمل نیازی، پروفیسر ڈاکٹر، قابلِ ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۷

۱۴) آفتاب اصغر،ڈاکٹر، مقدمہ تاریخ مبارک شاہی

۱۵) عمر زبیری، پروفیسر، قدیم تہذیبیں اور مذاہب، طیب شمشاد پرنٹر لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۳۰

۱۶) عبدالودود قریشی،ڈاکٹر، نہرو خاندان کا آخری چشم وچراغ، قابل ذکر،کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو

اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص100-102

۱۷) ایضاً، قابل تقلید فوجی قیادت کی تبدیلی، قابل ذکر،کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار

لاہور، ۱۹۹۴ء، ص۱۳۸-۱۳۷

۱۸) ایضاً، مسلمانوں کی علامت۔۔۔ فتح خوست کے شریک، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص۳۸-۳۷

۱۹) ایضاً، گاندھی کی لاٹھی بے توقیر گوڈسے کا پستول معتبر ہوا، روزنامہ ایشین نیوز، ۸ فروری ۲۰۲۰ شمارہ ۳۹

۲۰) ایضاً، قابل فخر منفرد دیوم پاکستان، روزنامہ ایشین نیوز، ۲۴ مارچ ۲۰۱۹ء، شمارہ ۸۳

۲۱) محمد اسحاق جلالپوری، تاج محمد (مرتبین)، "درسی اردو لغت" مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۴ء، ص ۲۰

۲۲) جمیل جالبی، ڈاکٹر، "قومی انگریزی اردو لغت" مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ۱۱۴۳

23)http://ur.m.wikipedia.org/wiki.10 April.2022,12:10 am

۲۴) طارق مسعود، سید، ونڈر بوائے، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۸

۲۵) عبدالودود قریشی، ڈاکٹر، جب ذرائع ابلاغ سراپا احتجاج ہیں۔۔۔ سیمینار کا مشورہ کس نے دیا، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۲

۲۶) ایضاً، سیاسی جماعتوں میں بھی جمہوریت، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۵۸

۲۷) ایضاً، آج کی بات، روزنامہ ایشین نیوز، ۲۰ اپریل ۲۰۱۹ء، شمارہ ۱۱۰

۲۸) ایضاً، میرے سو کالم ۔۔۔ کیا کھویا کیا پایا، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۷۳

۲۹) ایضاً، نیا امریکی سکینڈل ۔۔۔ خطرہ روس نہیں اسلام، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۵۱

۳۰) ایضاً، حکمران عوام پر انحصار کریں، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۵۳-۵۴

۳۱) ایضاً، نیوزی لینڈ مساجد پر حملے، روزنامہ ایشین نیوز، ۱۶ مارچ ۲۰۱۹، شمارہ ۷۵

۳۲) ایضاً، سیاستدانوں کا عدالتی احتساب، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور ۱۹۹۴ء، ص ۶۹

۳۳) ایضاً، ایف اے ٹی ایف میں ہمیں کس نے اور کیوں پھنسایا، روزنامہ ایشین نیوز، ۲۲ فروری ۲۰۲۰، شمارہ ۵۳

باب سوم:

ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے کالموں کا فنی، اسلوبی اور لسانی تجزیہ

الف) کالموں کا فنی تجزیہ

صحافتی زبان اور ادبی زبان میں فرق

"صحافت کا لفظ صحیفہ سے نکلا ہے "صحیفہ" کے لغوی معنی "کتاب یا رسالہ" کے ہیں۔"۱

صحافت کا کام بنیادی طور پر خبریں اکٹھی کرنا انھیں ترتیب دینا اور پھر انھیں اخبارات میں شائع کرنا کے ہیں۔ صحافت کو انگریزی میں Journalism کہا جاتا ہے جس کے معنی "روزنامچہ یا روزانہ حساب کتاب کا ہی کھاتا" کے ہیں۔ صحافت کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسان کے ارتقاء کی۔ ابتدائی مراحل میں صحافت کو حکمرانوں کے پیغامات ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ برصغیر میں صحافت کا کام کبھی کبوتر کے ذریعے کرایا جاتا تھا اور کبھی جاسوسی نظام کے ذریعے۔ صحافت میں صحافی کلیدی کردار ادا کرتا ہے صحافی ہی وہی شخص ہے جو اس بات کی یقین دہانی کرواتا ہے کہ عوام تک پہنچائی جانے والی خبر کیا حقائق پر مبنی ہے یا نہیں ہے؟ دور حاضر کے اس ٹیکنالوجی کے دور میں انسان کو زندگی کے ہر پہلو پر نظر رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحافت سے منسلک ہو۔

محمد حسن عسکری کہتے ہیں۔

"انسان کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ حقیقت کو پہچانے. اس لیے جو انسانی سرگرمیاں ہمیں حقیقت کے جتنے قریب لائے گی وہ اتنی ہی قابل قدر ہو گی اور جتنی دور جائے گی قدر میں اتنی ہی کم ہوتی جائے گی۔"۲

انسان کے ارتقاء سے دیکھا جائے تو انسان کو ہر دور میں اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے لیے کسی نہ کسی ذریعے کی ضرورت رہی ہے اور صحافت ہی کے ذریعے معاشرے کے ہر پہلو کی عکاسی کی جاتی ہے یعنی معاشرے میں پائے جانے والے تمام حالات کی بھرپور عکاسی صحافت کرتی ہے اور صحافت میں سادہ اور عام فہم الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جنہیں ایک عام انسان بھی سن کر سمجھ سکے۔ صحافت

کا بنیادی مقصد کسی بھی انسان کو نقصان پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ صحافت کا بنیادی مقصد ہر انسان کو معاشرے اور ملک میں ہونے والے تمام حالات و واقعات سے بخوبی آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ صحافتی زبان کا اہم مقصد معاشرے اور ملک میں رونما ہونے والے حالات سے معاشرے اور ملک کی عوام کو باخبر رکھنا ہے وہ تمام باتیں اس طرح سے عوام تک پہنچاتی ہیں جن سے کوئی بھی انسان فائدہ بھی اٹھا سکے اور اپنے آپ کو بہتری کی راہ پر گامزن کر سکے۔

۱) ادبی زبان

معاشرے میں کسی بات کو کہیں تک پہنچانے کے لیے خواہ صحافت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن صحافتی زبان ادبی زبان کے بناء نامکمل ہے۔ ڈرامے، طنز و مزاح، مضامین، افسانے، ناول اور انشائیہ ہی صرف ادب کا حصہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سائنسی، اقتصادی، علمی، تاریخی، معاشی اور تکنیکی ادب کی ضرورت بھی عملی زندگی میں رہتی ہے۔

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ۔

> "زندگی میں جذبات کی اہمیت کا اقرار کرنا ہی پڑتا ہے مگر جذبات کی عقلی تنظیم کے بغیر زندگی فی الفور ایک خارزار بن کر رہ جاتی ہے۔"۳

ادب اپنے اندر اتنی وسعت رکھتا ہے کہ وہ وقت اور حالات کے مطابق تبدیلیاں لاتا ہے۔ ادب کسی بھی معاشرے، تہذیب و ثقافت اور تمدن، روایات اور رسم و رواج سے آگاہی دیتا ہے۔ ادبی زبان صحافتی زبان کے مقابلے میں مشکل ہوتی ہے اور ادبی زبان میں صحافتی زبان کے مقابلے میں ادیب مشکل زبان کا استعمال کرتا ہے جس سے پڑھنے والے کو سمجھنے میں کافی مشکلات کا سامنا درپیش ہوتا ہے۔ طبقاتی لحاظ سے ادب میں ایک ایسا طبقہ پایا جاتا ہے کہ جو کتب، رسائل و جرائد اور اخبارات سے مستفید ہوتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی تحریروں میں مختلف اور پیچیدہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جنھیں عام انسان آسانی سے سمجھ نہیں سکتا۔ اپنے تحریر شدہ مواد میں یہ لوگ اپنے خیالات کو واضح کرتے ہیں اور یہ طبقہ معاشرے کے ان افراد پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک عام انسان کو بھی معاشرے میں ہونے والے واقعات سے باخبر رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جس کی صرف یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی حاصل کی گئی تعلیم سے مستفید ہوتے ہوئے اخبارات اور جرائد

ورسائل کو سمجھ اور پڑھ سکیں۔ ایسا طبقہ ادباء اور شعرا سے نچلا طبقہ ہے کیونکہ یہ ادب کی پیچیدگیوں کو شعراء اور ادیبوں کی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ مختلف شعراء، ادیب اور جتنے بھی لکھنے والے ہوتے ہیں ان کی تحریریں ایک دوسرے سے منفرد ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ یہ ہے کہ ادیب معاشرے میں ہونے والی چیزوں کو پہلے سمجھتا ہے اور پھر اپنے خیالات اور تصورات کو الفاظ کا عملی جامہ پہناتا ہے۔ جس کی بناء پر ہر ایک لکھاری کی تحریر دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اس کے برعکس صحافت میں ایک صحافی اپنے خیالات و تصورات کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا بلکہ صحافی کے لیے ضروری ہے کہ وہ چیزوں کو جس طرح معاشرے میں رونما ہوتے دیکھتا ہے اسی طرح سادہ اور اور عام فہم الفاظ کے ذریعے عوام تک پہنچاتا ہے تاکہ عوام انھیں آسانی سے سمجھ سکے۔

> "عبدالودود قریشی کو خبر سازی میں مہارت تامہ کا دعوی تو نہیں لیکن حیرت ہے کہ وہ جس تیزی اور ارتباط سے اطلاع بہم پہنچاتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کہنے والے نے جو کہا وہ اس کے دل میں پہلے سے موجود تھا۔ سچی، بے باک اور کھری صحافت کی لگن نے اسے کبھی چین نہیں لینے دیا۔"۴

علم اور ادب میں حالات وواقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے الفاظ کا چناؤ کیا جاتا ہے۔ ایک ادیب اور فنکار اپنے خیالات اور سوچ کی گہرائیوں کو سمجھ کر تشبیہات کے تخیل میں ڈال کر عوام کو پیش کرتا ہے اس کے برعکس ایک اچھا صحافی معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات کو سادہ الفاظ میں عوام تک پہنچاتا ہے۔ ایک صحافی کو اپنی ذاتی رائے اور سوچ کو صحافت کے دوران پشت ڈالنا ہوتا ہے کیونکہ صحافت کسی بھی انسان کی ذاتی رائے سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ صحافی اپنے تمام تصورات، ترجیحات اور خیالات کو مکمل طور پر ایک طرف رکھ کر اپنے کام سے باوفا ہو سکتا ہے جبکہ علم وادب میں ادیب معاشرے میں درپیش واقعات کو دیکھتا ہے اور پھر انھیں اپنی آنے والی نسل کے لیے موضوع بنا کر ان تمام چیزوں کے نقصانات اور فوائد سے آگاہ کرتا ہے۔ ادب اور صحافت کا معاشرے کے بغیر کوئی وجود نہیں ہے۔ دونوں ہی معاشرے کے حقائق کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں تاکہ تمام لوگ معاشرے میں ہونے والے حالات و واقعات سے باخبر رہ سکیں۔ جو معلومات انھیں پہنچائی جارہی ہیں ان سے مستفید ہو سکیں۔ زندگی تغیر کا ہی ایک نام ہے جس طرح معاشرے میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اسی طرح ادب، علم اور صحافت بھی اپنے اندر تبدیلیاں لاتا ہے تاکہ حالات کے مطابق خود کو ڈھال سکیں اور موجودہ دور کے انسان کی ضروریات اور حالات کو بیان کر سکیں۔

"ادب اگر خواہش اور امنگوں کا نام ہے تو صحافت حقائق شناسی اور عمل کا نام۔۔۔ ادب اگر عدم ہے تو صحافت وجود۔۔۔ ادب اگر اندھیرا ہے تو صحافت روشنی ۔۔۔ ادب افسانہ ہے تو صحافت حقیقت۔۔۔ ادب رنگینی و دلکشی ہے تو صحافت سادگی پرکاری۔۔۔ ادب تخیل ہے اور صحافت عمل۔۔۔" ۵

ادیب سمجھ کر اور دیکھ کر اپنے خیالات اور تصورات کو لکھتا ہے ادیب کے لکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی لکھی گئی تحریر سے مستفید ہو سکیں جبکہ صحافی کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو خبر اسے ملی ہو وہ اسے زیادہ سچائی اور بے باکی سے عوام تک پہنچا سکے اور معاشرے کو حقائق سے ہمکنار کر سکے ادبی زبان میں صحافتی زبان کے مقابلے میں گرائمر کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ ادبی زبان میں مبالغہ آرائی زیادہ کی جاتی ہے جبکہ صحافتی زبان مبالغہ آرائی سے مبرا ہوتی ہے۔ ایک صحافی اپنی پسند وناپسند سے عاری ہو کر سچی خبر پہنچاتا ہے وہ اپنی سوچ تصور اور خیالات کو نہیں بلکہ دیکھی ہوئی خبر کو ویسے ہی آگے پہنچاتا ہے تاکہ عوام باخبر رہے۔ ایک صحافی اپنی رائے و پسند نہیں دے سکتا۔

۲) فصاحت وبلاغت

کالم ادب و صحافت دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ کالم میں فصاحت و بلاغت کا پہلو واضح نظر آتا ہے۔ فصاحت و بلاغت سے مراد ہے کہ اپنی رائے کو آسان، سادہ اور مختصر طریقے سے پیش کرنا، اپنی بات کو اس طرح سے پیش کرنا کہ بات مختصر بھی ہو اور اس کی جامعیت بھی محفوظ رہے۔ عبدالودود قریشی نے اپنے کالموں میں فصاحت وبلاغت کو اہمیت دی ہے۔ انتہائی سادہ آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہیں جس سے پڑھنے اور سمجھنے والے کو بات کی گہرائی سمجھ آجاتی ہے۔ عبدالودود قریشی اپنے کالم "بھیک مانگنے کا حق۔۔۔ عبدالستار ایدھی کا دکھ" میں ایدھی کی لازوال قربانیوں کی روشنی میں ایک نیک دل انسان کا ذکر کرتے ہیں جو پاکستانی عوام کو اللہ تعالی کے ایک تحفے کی صورت میں ملا۔ کیا پاکستانی عوام ایسے انسان کی اہل ہے جسے اپنی ذات سے کوئی مطلب نہیں؟ ایدھی جیسا انسان بغیر کسی مفاد کے فلاحی کاموں اور دکھی انسانیت کی ہمیشہ خدمت کرتا رہا۔ ایسے موضوع کو پڑھنے کے ساتھ ہی قاری کے ذہن میں یہ بات آنے لگتی ہے کہ جو خدمت کا جذبہ ایدھی انسانیت کے لیے رکھتا تھا ہماری آنے والی نسلیں ایسی خدمت اور آداب واخلاق سے عاری رہیں گئیں۔

"عبد الستار ایدھی نے جہاں اہل پاکستان سے بھیک مانگ کر اپنی ذات کو نہیں دکھی انسانیت کو راحت پہنچانے کے لیے چندہ اکٹھا کیا وہاں دنیا بھر سے کروڑوں ڈالر لا کر ملکی معیشت کو بھی مستحکم کرتے ہوئے لوگوں کی خدمت کی۔"٦

ودود کے مطابق امیر اور غریب کے لیے ہمیشہ قانون مختلف طریقے سے لاگو ہوتا ہے۔ کوئی بھی وقت ایسا نہیں آیا جس میں معاشرے میں موجود اونچے اور نچلے طبقے کو برابر کے حقوق حاصل ہوں، امیر کے پاس زندگی کی ہر آسائش موجود ہوتی ہے اور وہ خود کو محفوظ کرنے کے لئے بڑے سے بڑا کام بھی کر لیتا ہے جبکہ غریب ازل سے ابد تک غربت کی چکی میں پستا رہتا ہے۔ کسی بھی ملک کی ترقی اور دنیا کی نظر میں اپنی قدر برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشرہ اپنے آپ کو سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور معاشی لحاظ سے مضبوط بنائے تاکہ دنیا کی نظر میں اس ملک کی عزت و وقار کو یقینی بنایا جا سکے۔ ہماری نسلوں نے اپنے بزرگوں اور آباؤ اجداد سے کچھ نہ سیکھا، کچھ نسلیں اپنے گزرے ہوئے وقت سے سیکھ کر اپنی خامیوں کو دور کر کے اپنے معاشرے کو ترقی کی راہ پر لاتیں ہیں تو وہیں کچھ نسلیں اپنے بزرگوں اور گزرے ہوئے وقت سے کچھ نہیں سکتیں اور اپنے معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا نہیں کر پاتیں۔ ایسے افراد سستی اور کاہلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عبد الودود قریشی اپنے کالموں میں بتاتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے کس طرح محنت کرتے ہوئے پاکستان کو الگ ریاست کے طور پر متعارف کروایا اور دنیا میں پاکستان کو آزاد و خود مختار ریاست کے نام سے متعارف کروایا لیکن موجودہ نسل اپنے بزرگوں کی کامیابی اور جدوجہد کو جانتے ہوئے بھی سمجھ نہیں پا رہی ہے، نااہلی اور سستی کا شکار ہے جس کی وجہ سے ہمارے بزرگوں کی گئیں تمام کوششیں رائیگاں نظر آتی ہیں۔ نسل پرستی ہمیشہ سے کسی بھی معاشرے کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی ہے۔ جو کہ معاشرے اور ملک کو کامیابی کی بجائے ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔

"بھارت میں مسلمانوں اور اقلیت کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے اس سے قائد اعظم محمد علی جناح اور بانیان پاکستان کے خدشات سو فیصد درست ثابت ہوئے کہ ہندو جمہوریت کے نام پر بھارت کی اقلیتوں کو ہمیشہ سے غلام بنانے اور انہیں مذاہب چھوڑنے پر آمادہ کریں گے۔ قائد اعظم نے اس وقت درست فرمایا تھا کہ جو مسلمان بھارت میں پاکستان کی مخالفت

کر رہے ہیں انھیں اور ان کی نسلوں کو ساری زندگی بھارت سے وفاداری کا ثبوت دیتے
گزرے گی اور ہندو انھیں محب وطن بھارتی تسلیم نہیں کریں گے۔" ۷

کسی بھی ملک کی کامیابی کا انحصار اس ملک کی سیاسی صورتحال پر ہوتا ہے حکمران ملک کا سربراہ ہوتا ہے اور وہ اپنے ملک کے فائدے اور نقصان کا جواب دہ بھی ہوتا ہے۔ سیاست کا ایک برا پہلو یہ ہے کہ ہمارے ملک کی ہر سیاسی پارٹی دوسری پارٹی کو نیچا دکھانے کے لیے عوام سے جھوٹے اور سچے دعوؤں کا پلندہ اکٹھا کر لیتی ہے۔ ایک پارٹی اپنے جھوٹے وعدوں سے عوام کو یہ ثابت کرتی ہے کہ ملک میں ہونے والے برے حالات کو صرف اور صرف ہم ہی آکر دور کر سکتے ہیں اور مہنگائی سے چھٹکارا ہم ہی دلائیں گے۔ ایک سیاسی پارٹی مہنگائی، غربت، بدعنوانی اور کرپشن جیسے حربوں کے ذریعے دوسری پارٹی کو نیچا دکھانے اور عوام کو بے وقوف بنانے کی کوشش میں ہر وقت سرگرم عمل رہتی ہے عوام کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے سیاسی پارٹیاں اس طرح کے مختلف حربے استعمال کرتی رہتی ہیں۔ عوام کو اپنی انگلیوں پر نچانا حکومت کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ کوئی بھی پارٹی عوام کی نظر میں اپنی اہمیت بنانے کے لئے لیے انہیں بنیادی عوامل کو استعمال کرتی ہے اس بات سے بالاتر ہو کے جھوٹے وعدوں اور دعوؤں سے عوام کے احساسات اور جذبات مجروح ہوں گے۔ ودود کے نزدیک کسی بھی پارٹی کی کامیابی کا سہرا اس کے سیاسی اراکین کو سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس پارٹی کے سیاسی اراکین ہی وہ لوگ ہوتے ہیں جو براہ راست عوام سے رابطے میں رہ کر عوام کو پارٹی کی سپورٹ کرنے کے لیے اکساتے ہیں۔ اسی بناء پر ایک حکمران اپنے سیاسی کارکنوں سے اچھے روابط استوار رکھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ معاشرے میں میری پارٹی کی ساکھ بنانے میں یہی بنیادی افراد ہیں جو پارٹی کو نام اور مقام دلوا سکتے ہیں۔ سیاسی اراکین اور حکمرانوں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی عوام پر منحصر ہوتی ہے۔ وہ عوام کی نفسیات کو سمجھ کر خود کو اس انداز سے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ عوام انھیں سچا ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے اور پھر یہی لوگ جب اقتدار میں آتے ہیں اور اپوزیشن میں ان پر سوال اٹھایا جاتا ہے کہ یہ تمام مشکل حالات سابقہ حکومت کے ذمہ لگا دیتے ہیں اور خود کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے بارے میں عبدالودود قریشی اپنے کالم " سیاستدانوں کا عدالتی احتساب" میں لکھتے ہیں۔

" وہ ارکان اسمبلی جو بددیانتی کے مرتکب پائے گئے خصوصی عدالتوں کے سامنے ہوں گے
اس طرح سینہ زوری سے اور اقتدار کے نشے میں لوگ مدہوش کر بددیانتی سے گریز کریں

گے اور جب سیاستدان بھی بدیانتی کے زمرے میں آئیں گے اور ان کا بھی عدالتی احتساب ہو گا۔"۸

کسی بھی ملک کی ترقی میں عوام بھی بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ عوام ہی ہے جو قانون، پارلیمنٹ اور اداروں کی عزت کرتی ہے اور ملک کو کامیابی کی راہوں پر لاتی ہے۔ یہ تمام باتیں قانون کی پاسداری اور پارلیمنٹ کی عزت تب ہی ممکن ہے جب عوام باشعور، تعلیم یافتہ اور مہذب ہو۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی کا انحصار مساوی حقوق اور عزت پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر کسی بھی ملک و معاشرے میں تمام لوگوں کو برابر سمجھا جائے گا، مساوی حقوق ملیں گے تو ہی کوئی ملک و معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو پائے گا۔

"اس شہر میں ایک ایسی سڑک بھی ہے جس کا نام شاہراہ جمہوریت ہے کبھی تو اس کو لوگوں کے لئے کھول دیا جاتا ہے اور کبھی پابندی، شاید یہ مثال ملک میں جمہوریت کے ساتھ ہونے والے سلوک کی ایک مثال ہے جس کا مظاہرہ اس سڑک پر جمہوریت کی بحالی کے بعد کیا جا رہا ہے۔"۹

سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت ہی وہ صلاحیت ہے جس کو استعمال کر کے انسان خود کو تبدیل کر سکتا ہے اپنی سوچ سے دوسرے کو آگاہ و آمادہ کرنا تبھی ممکن ہے جب کوئی زیور تعلیم سے آراستہ ہو۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ

"کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں"

یعنی یہ ثابت ہوا کہ کوئی بھی معاشرہ اسی طرح ترقی کرتا ہے جب افراد تعلیم یافتہ ہوں تعلیم میں استاد بنیادی کردار ہوتا ہے۔ جس کی تدریس سے مستفید ہو کر فارغ التحصیل ہونے والے طالبعلم معاشرے کو ترقی کی راہ کی طرف لاتے ہیں۔ کسی بھی ملک و قوم کی ترقی کا اثاثہ ثقافت، تہذیب، رسم ورواج، روایات اور عادات جیسے عناصر ہی ہیں انہیں عناصر کو اپنا کر خود سے وفا کر کے زندگی کو آسان بنایا جا سکتا ہے۔ فصاحت و بلاغت کا ایک اہم حصہ صحافت بھی ہے۔ صحافت میں ایک صحافی کسی بھی خبر کو عام اور سادہ الفاظ میں لوگوں تک پہنچاتا ہے تا کہ پورے معاشرے کو اپنے ارد گرد ہونے والے حالات و واقعات سے آگاہ کر سکے۔ صحافت کا شعبہ اپنے اندر بہت سی خوبیوں کو سموئے ہوئے ہے۔ چاہے وہ سیاسی، تمدنی، معاشی، معاشرتی یا اقتصادی ہوں صحافت کا شعبہ ہر طرح کا علم اپنے اندر رکھتا ہے۔

عورتوں کی تعلیم کسی بھی ملک و معاشرے کو ترقی یافتہ بنانے کے لیے ضروری ہوتی ہے کیونکہ عورتوں ہی کی بدولت ایک نئ تعلیم یافتہ نسل پروان چڑھتی ہے لیکن پاکستان میں ناخواندگی کی شرح پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے۔ بچیوں کی قبل از وقت شادیاں، تعلیم یافتہ نہ ہونا اور پیدائشی وقفوں میں کمی آبادی میں اضافے کے اسباب ہیں۔ ان تمام حالات پر کنٹرول کرنے کے لئے بچیوں کا تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے۔ فصاحت بلاغت کے ذریعے عبدالودود قریشی نے معاشرے کی بہت سی برائیوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے کہ جن کو ہم دیکھتے اور سمجھتے نہیں تو ملک و معاشرے کے ساتھ ناانصافی ہے۔ ان تمام برائیوں کو ختم کر کے معاشرے کو ترقی کی راہ پر لا سکتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت کا استعمال عبدالودود قریشی نے اپنے کالموں میں بہت ہی اچھے طریقے سے کیا ہے فصاحت و بلاغت کے ذریعے اپنی بات انتہائی عام، سادہ اور مختصر انداز سے عوام تک پہنچائی ہے۔

۳) جامعیت

مواد کو جمع کرنا، ترتیب دینا اور پھر اسے اس طرح سے دوسروں کے سامنے پیش کرنا کہ بات اپنا معیار نہ کھوئے بلکہ انسانی نفسیات کو مد نظر رکھتے ہوئے الفاظ اسطرح سے استعمال کرنا کہ قارئین کو اپنی جانب متوجہ کریں جامعیت کہلاتی ہے۔ جامعیت ایک انتہائی جامع موضوع ہے لیکن غیر معمولی الفاظ کا استعمال یا بیجا آرائش و زیبائش جامعیت کے زمرے میں شامل نہیں ہوتی۔ عبدالودود قریشی کالم نویسی میں نہایت عمدگی سے جامعیت کے عنصر کو بیان کرتے ہیں۔

> "دنیا بھر کے ایوانوں میں بیٹھے افراد محض اپنی سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کی پتلیاں ہوتی ہیں جو ان کے لیے ناچتی ہیں وہ جتنی بڑی کرپشن اور بدعنوانی کے مرتکب ہو جائیں وہ اسے برا نہیں گردانتے بلکہ ان کے حق میں جمہوریت کا نام لے کر واویلا کرتے ہیں۔" ۱۰

عبدالودود قریشی نے اچھے الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے بات کو قارئین تک پہنچایا۔ انھوں نے دنیا کو سچائی جامعیت کے ساتھ بتائی۔ دنیا بھر میں عام انسان کی بات ہو یا سیاست کی، سچائی کی باتوں میں ایک عنصر "یا "کا ہوتا ہے جسے لوگوں کے سامنے نہیں لایا جاتا۔ کیونکہ مقابلہ بازی کے اس دور میں انسان ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ میں دیانتداری، خلوص نیت اور اخلاق حسنہ جیسی صفات کو بھلا چکا ہے اور انسانیت کے جذبے

سے عاری ہوتا جاتا ہے۔ کچھ بیرونی طاقتیں پاکستان کو دنیا کی فہرست سے مٹانا چاہتی تھیں۔ ان میں سیاسی حکمران بھی شامل رہے اور دہشت گردی کے بدترین واقعات بھی۔

"یہ پرچم دشمن کے لئے ایک برہنہ "نیزہ" بن کر ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں لہراتا رہا۔ اس کو دشمن کے سامنے لہرانے کے لیے ان جنگوں میں بھی ہمارے مجاہدوں نے بے شمار قربانیاں دی۔ ۱۹۷۱ء میں توبھارتی درندوں نے مشرقی پاکستان میں اس پرچم کو رکھنے والوں پر وہ ستم ڈھائے کہ کوئی قلم ان مظالم کو ضبط تحریر میں لانے کی طاقت نہیں رکھتا" ۱۱

کوئی بھی ملک تبھی ترقی کی راہوں پر چل سکتا ہے اگر اس ملک کے حکمران اخلاق سے مالا مال ہوں۔ اخلاق انسان کا آئینہ دار ہوتا ہے اور کسی بھی ملک میں مختلف سیاسی جماعتیں اخلاق ہی کا سہارا لیتے ہوئے عوام کے دلوں میں اپنی سہاکھ بٹھاتی ہیں۔ کوئی بھی ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس میں موجود حکمران اور کارکنان خطروں کا سامنا نہ کریں۔

"دنیا میں ہر طرح کی دہشت گردی، ترقی اور ارتقا کے لیے پہلا اصول پہلے سوچا جاتا ہے پھر اس کا ایک نمونہ بنایا جاتا ہے اور پھر اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے فلم کا بننا، پھر ان جرثوموں کا تیار کیا جانا اور پھر اس کا چین میں نمودار ہونا کوئی آفت الٰہی نہیں بلکہ چین دشمن قوتوں کی واردات ہے۔" ۱۲

حقیقت اور ڈرامے میں اتنا سا فرق ہوتا ہے کہ ڈرامے کے چہروں پر موجود حقیقی درد یا خوشی کا عنصر نہیں دکھائی دیتا۔ چہروں پر لکھی تحریر ہی حقیقت یا ڈرامے کے کرداروں کو ایک دوسرے سے مختلف بناتی ہے اور ملالہ یوسف زئی پر ہونے والے حملے کو مختلف مذہبی سکالرز نے ایک ڈرامہ کہا یہ بیان اخلاقیات کے خلاف ہے۔ انسان کی فطرت کا یہ خاصا ہے کہ وہ کسی بھی خوشی یا درد کو تب تک محسوس نہیں کر سکتا جب تک وہ اس کی ذات پر نہ گزرے۔ عبدالودود قریشی کے کالم موجودہ معاشرے کے انتہائی دلچسپ موضوعات سے بھرپور ہیں۔ نظریہ پاکستان ایک ایسا موضوع ہے جو کہ جامعیت سے بھرپور ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے قائدین نے آزاد ریاست صرف اسی بنیاد پر حاصل کی کہ اس آزاد ریاست میں مسلمان اپنے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حقوق حاصل کر سکیں گے اور الگ ریاست اس لیے بھی حاصل کی کہ وہاں مسلمان اپنے رب کے دین کے

مطابق زندگی گزار سکیں گے۔ جہاں مسلمان اپنے اللہ کے احکامات کو مانتے ہوئے نبی کی سنت پر عمل پیرا ہو پائیں گے۔

"پاکستانی پرچم میں مقصدیت ہے اور اس کے معنی اس میں عیاں ہیں یہ دنیا کا واحد پرچم ہے جس نے اقلیتوں کی نمائندگی ہے جو اقلیتوں کے تحفظ کی ضمانت ہے۔۔۔ اس پرچم کے ساتھ وابستگی کو دیکھا جائے تو اس کو لہرانے کے لیے لاکھوں لوگوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ اس سے محبت اور عقیدت کے لیے ہزاروں بیٹیوں کو بے آبرو کیا گیا۔"۱۳

ایک الگ ریاست اس لیے حاصل کی گئی جہاں رنگ، ذات اور نسل سے بالاتر ہو کر مسلمانوں کو تمام سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور ہر طرح کے مساوی حقوق دیے جائیں گے۔

"ہندوؤں کا خیال تھا کہ برصغیر سے انگریز چلا جائے اور ہم جمہوریت کے نام پر اکثریت کے بل بوتے پر اپنے قوانین نافذ کریں گے اور مسلمان بڑی اقلیت کے طور پر سامنے آئیں گے اور ہمیشہ ہم سے اپنے حقوق کے بھیک مانگتے رہیں گے مگر قائد اعظم خود پہلے کانگریس میں رہے اور ان کی واردات کو بخوبی بھانپ چکے تھے۔ لہذا انھوں نے مسلمانوں کے الگ وطن کے لئے مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔"۱۴

ملک پاکستان جو کہ دورہ حاضر میں پھر سے بے بسی کی ایک مثال بن چکا ہے جہاں برابری کے حقوق عوام کو مہیا نہیں ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں آزاد ریاست اس لیے حاصل کی گئی تھی کہ عوام کو برابری کے حقوق دیئے جائیں لیکن آج عوام کو یکجا حقوق مہیا نہیں ہیں اور آج انصاف بھی فقط امراء کی چوکھٹ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ الگ ریاست کے وجود کا مقصد یہ تھا کہ اپنی عورتوں کو تحفظ فراہم کیا جاسکے لیکن آج ایک آزاد ریاست کے باوجود بھی ہمارے ملک میں عورت کی ذات محفوظ نہیں۔ عورت کو عزت آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام کے وقوع میں آنے کے ساتھ ہی مل گئی تھی لیکن افسوس کے عورت کو وہ رتبہ آج کے معاشرے میں حاصل نہیں ہے۔

" مرکزی وزراء نے خواتین کو اپنے گھروں میں بلا کر شریعت بل کے خلاف مظاہروں کا اہتمام کیا تھا اور کئی خواتین کو وزراء نے اپنی گاڑیوں میں پارلیمنٹ ہاؤس بھی پہنچایا شاید یہی بات خداوند کریم کو پسند نہیں آئی ورنہ خانہ کعبہ تو پہلے حکمران بھی گئے تھے۔۔۔"۱۵

عبد الودود کا نظریہ ہے کہ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا جب تک کی اس معاشرے میں موجود عورت کو عزت اور احترام نہ دیا جائے اور ہر طرح کے تعصبات سے ہٹ کر معاشرے کا ایک فرد نہ سمجھا جائے۔ افراد کی بھلائی اور بہتری معشیت ہی کی بدولت ہوتی ہے۔ ملک کو بھلائی کے راستے پر چلانے میں ملک کے نوجوانوں کا اہم اور بنیادی کردار ہوتا ہے۔ کوئی بھی ملک تبھی ترقی کر سکتا ہے اگر اس ملک کے لوگ اپنے اندر موجود صلاحیتوں کو سمجھ کر، جانچ پرکھ کر بروئے کار لا سکیں۔ مدرسے علم کو پھیلانے کا ذریعہ تو ہیں لیکن استاد کا کردار طالبعلموں کی تربیت اس طرح سے کرتا ہے کہ جو چیزیں انھیں سکھاتا ہے وہی چیزیں طالب علموں کی زندگیوں میں عمل پیرا ہوتی نظر آتیں ہیں۔ مثال کے طور پر لال مسجد کا واقعہ دیکھا جائے تو وہ ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ مولوی حضرات طلباء کے ذہنوں میں جنت کا خیال اسطرح سے ڈال دیتے ہیں کہ طالبعلم اچھے یا برے کی تمیز بھول کر صرف بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ اگر ماضی میں دیکھا جائے تو بزرگوں کی قربانیوں سے یہ سبق ملتا ہے کہ ایک آزاد ریاست حاصل کرنے کے لیے ہمارے بزرگوں نے کس طرح اور کیسی قربانیاں دیں۔ اگر ہمارے بزرگوں کی طرح دور حاضر کے انسان بھی ان ہی کی طرح ملک کی فلاح کے لئے سوچیں تو آج ہمارے معاشرے میں میں چوری، ڈکیتی، کرپشن ختم نہ ہو۔ انگریزوں کی غلامی سے خود کو نکالنا معاشرے کی اہم ضرورت ہے۔

دیکھا جائے تو قائد اعظم نے پاکستان ایک الگ ریاست حاصل کرنے کے لیے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ آخری دم تک کوشش کی اور پھر قائد اعظم کے خلاف آنے والے بیانات اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ قائد اعظم نے جدوجہد صرف اپنی ذات، خاندان یا اپنے کسی مخصوص ذاتی مقصد کے لیے نہیں بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے اپنی تمام زندگی کی جدوجہد اور انتھک کوشش کی۔ زبان اظہار کا ذریعہ ہے جس کے ذریعے سے ہمارے الفاظ ہی نہیں بلکہ ہماری تہذیب بھی آنے والی نسلوں تک پہنچتی ہے۔ ادب جامعیت سے بھرا ہوا ہے۔ ادب میں ہر طرح کے مسائل کو اجاگر کر کے انھیں حل کرنے کے لیے تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔ عبد الودود قریشی اپنے کالم "اس بنیاد پرستی پر ہمیں فخر ہے۔۔۔" میں کہتے ہیں کہ اسلام سے جڑے رہنے میں ہی ہر انسان کی کامیابی ہے۔ ہم ۱۴۰۰ سال پرانے مذہب کے ہی پیروکار ہیں۔ اگر ہمارے مذہب کو بنیاد پرستی کا نام دیا جاتا ہے تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں بنیاد پرستی پر فخر حاصل ہے۔

۴) دلچسپی کا عنصر

کسی بھی شے میں دلچسپی کا عنصر نہایت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ انسان کوئی بھی کام اسی وقت دل سے کرتا ہے جب اسے لگے کہ اس کام میں اس کا فائدہ ہے۔ کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ انسان وہی کام کرتا ہے جس میں انسان کا فائدہ ہو۔ دور حاضر کے ترقی یافتہ دور میں انسان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ سستی اور کاہلی کا شکار ہو۔ یہ وہ دور ہے کہ انسان دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔ ایک طرف انسان چاند پر پہنچ گیا ہے تو کہیں دوسرے سیاروں کی زمین انسان کے پاؤں کی آماجگاہ ہے اور یہ تبھی ممکن ہے کہ کسی بھی انسان میں محنت کی عظمت کی جستجو اور شوق کا جذبہ پیدا ہو۔ انسان نت نئی راہیں تلاش کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ روز بروز بدلتے ہوئے حالات کے مطابق انسان کے اندر بھی نئے نئے ولولے اور شوق اجاگر ہوتے رہتے ہیں۔ بدلتے ہوئے حالات وواقعات سے متعاوف کروانے کے لیے ضروری ہے کہ لکھنے والے انسان کو ہر طریقہ تحریر سے خواہ وہ نظم ہو، افسانہ یا ڈرامہ علمی معیار اور انسانی مزاج کے مطابق حالات وواقعات سے آگاہ رکھا جائے۔

> "سیاسی نظریات سے وابستگی اور ان نظریات کے لئے مقدور بھر قربانی ذہن کو بامقصد راستوں پر لگادیتی ہے اور جب کوئی مقصد واضح ہو اور کہنے کے لیے دل ودماغ میں کچھ موجود ہو تو کالم نویسی کا جواز پیدا ہوتا ہے ودود قریشی کے پاس یہ جواز موجود ہے اور یہ صلاحیت بھی کہ وہ اپنے دل کی بات تحریر میں بیان کر سکیں۔"١٦

کوئی بھی کام انسان اسی وقت سچی لگن اور جدوجہد سے کرتا ہے جب اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ کام اس کے لئے فخر اور خوشی وراحت کا باعث ہوگا۔ عام طور پر گاؤں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے اور اپنے دکھ درد بیان کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ گاؤں میں دلچسپی کا عنصر پنچایت کا نظام ہے جو سالوں سال سے چلا آرہا ہے۔ پنچایت کے ذریعے گاؤں کے لوگ ایک دوسرے کے مسائل حل کرتے ہیں۔ مسائل حل کرنے کے لیے پنچایت میں شامل تمام افراد اپنے تجربے، علم وہنر مشاہدے اور معلومات کی بدولت اچھے اچھے مشورے دیتے ہیں۔ سب کا اہم ترین اور دلچسپی پر مبنی موضوع سیاست کا ہوتا ہے۔ سیاست کے حوالے سے حکومت کے ختم ہونے، نئی حکومت بننے، حکومت کی ناکامی اور کامیابی پر تجزیے کرنا ایک دلچسپ اور خاص موضوع بحث ہوتا ہے۔ کچھ افراد سابقہ حکومت کے حامی ہوتے ہیں اور کچھ افراد آنے والی حکومت کے۔ کہیں لوگ ان لوگوں پر افسوس کرتے ہیں جو مغربی ممالک کی تقلید کرنے میں خوش ہوتے ہیں۔ دلچسپی کا عنصر

ہمیشہ ہی خوشحالی و ترقی میں موجود رہتا ہے۔ کوئی بھی مذہب ہو یا ملک، ثقافت اور تہذیب و تمدن ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ایک الگ ریاست کے مطالبے میں بھی دلچسپی کا عنصر موجود تھا۔ ایک آزاد اور خود مختار ریاست کا قیام اس لئے ضروری تھا جہاں مسلمان ہندوؤں اور انگریزوں کی غلامی سے نکل کر مسلمان ہونے کی حیثیت سے آزادی سے سانس لے سکیں اور اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق اسلامی اصولوں کی پیروی کر سکیں۔ نظریہ پاکستان کی صورت میں دلچسپی کے ساتھ روشن امیدیں اور حوصلے بلند تھے۔ کسی بھی چیز کی قدر اور اہمیت بڑھانے میں دلچسپی کا عنصر اہم کردار ادا کرتا ہے اور صحافت میں یہ عنصر بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ کالم نویسی ایک ایسا دلچسپ جواز ہے جس میں اختصار اور دلچسپی کے ساتھ کالم نگار اپنی بات قارئین تک پہنچاتا ہے۔

"اصل بات جذبہ ایمان اور اتحاد ہے یہ قائم رکھتے ہوئے جتنی قوت بھی حاصل کی جاسکے کرنی چاہیے۔"۱۷

کالم نویسی صحافت میں مستقل عنوان کی بناء پر اپنے اندر بے بہا خوبیاں رکھتی ہے۔ کالم نگار کالم لکھتے ہوئے، قارئین کی نفسیات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس طرح کے موضوع کا انتخاب کرتا ہے جنہیں پڑھنے سے قارئین کی دلچسپی مختلف حادثات اور حالات و واقعات کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔ دلچسپ موضوعات والے کالم پڑھ کر قارئین کا دل کرتا ہے کہ بار بار ایسے کالم پڑھیں۔ قارئین اپنے تجربے، مشاہدے اور علم کی بدولت اتنی اہلیت رکھتے ہوتے ہیں کہ کالم میں اقتصادی، معاشی یا سائنسی حوالے سے بات کی جارہی ہے۔ بدلتے ہوئے حالات اور ماحول کے مطابق فنکار، شاعر اور ادیب ارد گرد کے عنوانات کی بدولت کالم نویسی کے ذریعے قاری کو خود کو ایسے ماحول میں ڈھالنے کے ترغیب دیتے ہیں۔ منظر نگاری کسی بھی تحریر کو جاندار، دلکش اور پر کشش بناتی ہے۔ منظر نگاری کی بدولت قاری تحریر پڑھتے ہوئے اکتاہٹ اور بوریت کا شکار نہیں ہوتا۔

"لوگوں کا وہ ہجوم ہو گا جو اس سرزمین نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا اور نہ ہی بعد میں دیکھے گی، لوگ ہفتوں پہلے ہی اپنی بقا کے لیے بتائے ہوئے پاکستانی سائنسدانوں کے کارناموں کو دیکھنے کے لئے گلیوں و بازاروں میں ڈیرہ لگالیں گے، ہر آنکھ میں ایک چمک ہو گی ہر جسم کی رگوں میں مسرت و شادمانی کا خون دوڑ رہا ہو گا۔"۱۸

اس مضمون میں ایک پریڈ کے موضوع کو پیش کر کے پریڈ کے منظر کو دلچسپی بڑھانے کے لیے خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے جس سے قارئین کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔ قاری پورے کالم کو پڑھنا چاہتا ہے۔اسی طرح ایک لکھاری دلچسپی کے عنصر کو پیش نظر رکھتے ہوئے موضوعات قاری کے سامنے پیش کرتا ہے جس کی بدولت قاری ایسی تحریر کو دوسری تحریروں سے منفرد اور الگ گردانتا ہے۔ قاری کو ایسی تحریر ہر لحاظ سے منفرد اور الگ تحریر لگتی ہے۔ صحافت میں کالم ہو، افسانہ، ناول یا داستان دلچسپی کے عنصر کی بناء پر قاری اس سے خوب متاثر ہوتا ہے۔ صحافت بے شمار پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے رکھتی ہے۔ صحافت مشن اور کاروبار دونوں کی طرز سے چلتی ہے۔ صحافت معاشرے میں موجود ہر پہلو کا ذکر کرتی ہے۔ کالم نویسی صحافت کا ایک اہم حصہ ہے۔ کالم نویسی میں ایک مخصوص عنوان پر بات کی جاتی ہے اور اس موضوع کو اس طرح سے بیان کیا جاتا ہے کہ قاری اس موضوع کے حوالے سے تمام باتوں کو آسانی سے سمجھ کر اپنے مسئلے کا حل بھی تلاش کر سکتا ہے۔ عبدالودود قریشی اپنے کالم "بے اصولی نہیں ٹھہر سکتی" میں انسانی نفسیات کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں کہ انسان کی شخصیت مختلف پہلوؤں کے حساب سے چلتی ہے۔ کسی موقع پر انسان بہت عاجز نظر آتا ہے تو کسی موقع پر غرور و متکبر، کہیں انسان دل میں جیت کی لگن اور جذبہ لے کر چلتا ہے تو کہیں ہار کا خوف اس کی سوچوں کے راستوں پر بند باندھتا ہے۔ لیکن ایک کامیاب انسان وہی ہوتا ہے جو اپنی ہار کے ڈر کو پسِ پشت ڈال کر کامیابی اور جیت کی لگن سے اپنی منزل کی طرف گامزن رہتا ہے۔ مثال کے طور پر قومی ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے ایٹمی طاقت والے ممالک سے ڈر کر ایک طرف ہو کر بیٹھنا پسند نہیں کیا بلکہ اپنے ملک کو ایک ایٹمی طاقت بنا کر یہ ثابت کیا کہ انسان اگر ایک سوچ لے کر چلے تو وہ اپنی منزل ضرور پا سکتا ہے۔ عبدالودود قریشی اپنے کالم "سیاسی جماعتوں میں بھی جمہوریت" میں آمریت اور جمہوریت کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کوئی بھی ملک کامیابی اور ترقی کی راہ پر اسی وقت گامزن ہو سکتا ہے جب اس ملک میں جمہوریت کا راج ہو لیکن ہمارے ملک میں وقت کے ساتھ ساتھ آمریت اپنی جڑیں مضبوط کر رہی ہے۔ ہر حکمران جمہوریت کا نعرہ لے کر تو آتا ہے لیکن یہ نعرہ صرف ایک نعرہ اور باتوں کی حد تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ عبدالودود قریشی اپنے کالم سیاسی جماعتوں میں بھی جمہوریت کا لفظ استعمال کر کے اشارہ دیتے ہیں کہ ملک کی کامیابی اور خوشحالی میں جمہوریت کے ساتھ ساتھ آمریت بھی ترقی کرے گی لیکن افسوس صد افسوس سیاسی حکمران عوام کے خوابوں پر پورا اترنے سے قاصر رہے ہیں۔ ہر حکمران جمہوریت کا نعرہ لے کر تو آتا ہے لیکن

حکومت میں آ کر جمہور کے نعرے کو پس پشت ڈال کر ایک ایسا نظام متعارف کرتا ہے کہ جس سے عام انسان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ ایسے نظام میں نہ تو عام انسان کو برابر کے حقوق مہیا کیے جاتے ہیں اور نہ ہی اسے مساوی عزت دی جاتی ہے۔ عبد الودود قریشی اپنے کالم "سیاسی جماعتوں میں بھی جمہوریت" میں لکھتے ہیں۔

"کسی بھی سیاسی جماعت کا ریکارڈ اچھا نہیں اور سیاسی جماعتوں کے ارکان اپنی جماعتوں کی
نہ تو باقاعدہ طور پر کوئی تنظیم کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں انتخابات نام کی کسی چیز کا رواج ہے
اس سے ملک میں آنے والے طالع آزماؤں کو تقویت ملتی ہے۔"۱۹

کسی بھی آزاد ریاست میں جب آمریت کا نظام سر اٹھانے لگتا ہے تو اس معاشرے میں موجود غریب لوگوں کے لئے مشکلات مزید بڑھ جاتی ہیں. آمریت ہی کے نظام کی بدولت ملک ترقی کی راہ پر بھی نہیں چلتا اور جب ملک کی ترقی کا عمل رک جاتا ہے تو انسان احساس کمتری کا شکار ہونے لگتا ہے۔ یہ تمام وہ خامیاں ہیں جو کسی بھی ملک کو ناکامی کی طرف لے جانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ حکومت میں آکر حکمران اگر اپنی دلچسپیوں کو سب سے مقدم رکھیں گے اور اپنے مفادات کو سامنے رکھیں گے تو غریب عوام کو آگے بڑھانے کے لیے محنت اور کوشش کون کرے گا، ملک اور قوم کی بیٹیاں بیرون ملک کے قبضے میں ہوں گئیں تو انھیں کون بچائے گا؟ یہ تمام وہ واقعات ہیں کہ اچھے حکمران اور اچھی حکومت ہی ان مسائل کا حل تجویز کر سکتی ہے اگر جان بوجھ کر اپنے ملک کو دوسروں پر انحصار کرنے والا بنا کر چھوڑ دیا جائے تو ایسے میں کوئی بھی ملک کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ادیب اپنے ملک کے لوگوں کے لیے مشعل راہ ہوتے ہیں وہ معاشرے میں چلنے والے تمام مسائل کو دیکھ کر انھیں الفاظ کی صورت دے کر اپنے کالموں اور تحریروں میں پیش کرتے ہیں۔ عبد الودود کے کالم "اقوام کے ناقابل تسخیر ہونے کا راز" وہ کالم ہے کہ جس میں انھوں نے بیرونی ممالک کی طرز اپنانے کا کہا ہے وہ اس بناء پر کہ مغربی ممالک میں اخلاقیات اور انسانیت کو فروغ دیا جاتا ہے۔ اس کالم کا نام اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ جسے دیکھ کر نوجوان نسل اسے پڑھنے کی جستجو رکھتی ہے۔ ادیب معاشرے کا ایک اہم حصہ ہوتے ہیں، ہمارے ادب کے اندر بہت سی معلومات ہیں لیکن ہمارا ملک ان معلومات سے اس وجہ سے مستفید نہیں ہو سکا کہ کسی بھی ملک کی کامیابی میں اہم کردار وہاں کے حکمران اور عوامی ریاست کا ہوتا ہے۔

"ترقی یافتہ ممالک میں اقلیتوں کے ساتھ اظہار یکجہتی دراصل ان ممالک کی وہ تصویر ہے جو
انھوں نے مدت میں بنائی ہے اور اس کی حمایت میں ان ممالک کے عوام کھڑے ہیں۔۔۔

یورپ کو فتح کرنے والوں کے لیے اس سے بڑا اور کیا پیغام ہو سکتا ہے کہ جہاں عوام اور حکمران اپنے ملک کی اقلیت کے ساتھ اس سطح پر یکجہتی کے لیے کھڑے ہو جائیں تو اس قوم کو کوئی تسخیر نہیں کر سکتا۔"۲۰

۵) اختصار پسندی

اختصار پسندی سے مراد اپنی تحریر میں تکرار والے الفاظ اور وہم و گماں والے الفاظ شامل نہ کرنے کے ہیں۔ کالموں میں اختصار پسندی کو اس وجہ سے اپنایا جاتا ہے تاکہ سچی بات من و عن عوام تک پہنچائی جائے۔ اپنے الفاظ میں کسی بھی قسم کا وہم و ابہام نہ ڈالا جائے۔ ادیب و صحافی اپنے کالم و تحریر میں ابہام شامل نہیں کرتے بلکہ سچی بات بالکل اسی شکل میں عوام تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹیکنالوجی کے اس دور میں انسان نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ انسان کے پاس طویل ترین تحریریں پڑھنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ ادیب اس وجہ سے بھی اختصار پسندی کو اپنی تحریر کا حصہ بناتے ہیں کہ پڑھنے والا تحریر کو ایک ہی وقت میں تسلسل کے ساتھ بیٹھ کر پڑھے اور ادیب اپنی تحریر میں سادہ الفاظ استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ تحریر عام انسانوں کو بھی سمجھ آ سکے۔ کالم نویس کالم لکھتے ہوئے معاشرے کی صورت حال بیان کرتے ہوئے الفاظ کے چناؤ میں ردوبدل بھی کر سکتا ہے کہیں وہ طنز و مزاح پر بات کر سکتا ہے تو کہیں ضرب المثل شامل کرتا ہے۔

"ودود نے تقریر کے ذریعے لوگوں کو گھائل کیا اور تحریر کے ذریعے انہیں اپنی طرف مائل کیا وہ ایک جرات مند آدمی ہے، وہ جو نظر آتا ہے، وہی ہے، دوستوں کو یاد رکھنے والا اور مخالفوں پر نظر رکھنے والا۔۔۔ ودود کے پاس قابل ذکر کا خزانہ ہے۔ وہ ایک عملی آدمی ہے ۔۔۔ودود کے کالم کو پڑھنے والا داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"۲۱

کالم، کالم نویس کی سوچ کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ کالم سے لکھنے والے کی سوچ کا پتہ چلتا ہے۔ لکھنے والا کالم ہی کے ذریعے اپنا مواد اور اپنا نظریہ دوسروں تک پہنچاتا ہے تاکہ قاری کو کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ کسی بھی ملک کی ترقی میں اس ملک کی حکومت کا اہم ترین کردار ہوتا ہے۔ جس طرح کی عوام ہوتی ہے ان پر اسی طرح کے حکمران مسلط کیے جاتے ہیں۔ عوام اپنے جیسے حکمرانوں کا ہی چناؤ کرتی ہے۔ اگر معاشرے میں کرپشن کی بات کی جائے جائے تو وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک ایسا قانون بنایا تھا جسے "بروڈا" کہا جاتا تھا. جس کے مطابق اگر کوئی بھی سیاستدان کرپشن جیسے فعل میں ملوث پایا جائے تو اس کو اس کے سیاسی کیریئر سے

تا عمر بے داخل کر دیا جائے گا۔ عبد الودود قریشی اپنے کالم "اقوام کے ناقابل تسخیر ہونے کا راز" میں کہتے ہیں کہ دنیا میں دیانتداری کی خصلت ہمیشہ سے پائی جاتی ہے لیکن دور حاضر کی نسل نے اپنے آباؤ اجداد کی محنتوں سے سیکھنے کی بجائے انھیں پس پشت ڈال دیا اور مغرب کی رنگینیوں میں اس قدر کھو گئے ہیں کہ بادشاہت کی بجائے سستی اور کاہلی کو اپنا پیشہ بنالیا ہے۔ ہمارے ملک میں موجود عوام ہر طرح کے علم و فن سے مالا مال ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس علم و فن کو ابھار کر سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

"جس ملک میں انصاف ہو، قانون یکساں ہو اور مظلوم کے ساتھ عوام اور حکمران یک آواز ہو کر کھڑے ہو جائیں اس ملک کی اقلیتیں اس ملک کی اکثریت کے مقابلے میں زیادہ محب وطن ثابت ہوتی ہیں۔"۲۲

ادیب معاشرے کے لیے مشعل راہ ہوتے ہیں۔ عبد الودود قریشی نے انتہائی سادہ الفاظ میں اپنے ملک اور قوم کے نوجوانوں کی اہمیت کو اختصار پسندی سے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اور ملک تبھی ترقی کر سکتا ہے جب تک کہ وہاں کے قانون سے منحرف نہ ہوا جائے۔ عبد الودود قریشی بھی اپنے کالموں میں احتساب کو ہی ملک کی ترقی کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔ عبد الودود اپنے معاشرے کو تعلیم ہی کے ذریعے ترقی کی راہوں پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کے مطابق علم ایسی روشنی ہے جو انسان کے اندر آگہی کو فروغ دیتی ہے۔ علم ہی کی بدولت انسان اپنے اندر موجود خوبیوں کو پہچان کر اور سمجھ کر انھیں منظر عام پر لا کر خود کو اچھا بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی بھی انسان کی ذہنی تربیت اس کی نشوونما کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔ یعنی بچہ پیدا ہوتا ہے پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے پھر سکول میں داخل کروایا جاتا ہے جہاں سے وہ معاشرے سے دوستی کر کے معاشرے کے ساتھ چلنا سیکھتا ہے اور وہیں سے اس کی عملی زندگی شروع ہو جاتی ہے وہ معاشرے میں تنقید کے حرف سے بھی آگہی حاصل کرتا ہے اور خود کو بہتر بنانے کے لئے کوشش کرتا ہے۔

"تعلیم کو عام کرنے کے لیے ہزاروں روپے کی تنخواہوں پر مشیر مقرر کیے گئے ہیں اور اس کے لیے لاکھوں روپے کی تشہیر کی جاتی ہے اور یہ منادی کروائی جاتی ہے کہ شرح خواندگی کو بڑھایا جائے۔"۲۳

صحافت کے پیشے میں کالم نویس کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ صحافت کا پیشہ اپنے اندر ہر طرح کی خوبیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ صحافت میں ہر خبر سے عوام کو باخبر رکھا جاتا ہے۔ صحافت وہ پیشہ ہے جہاں صحافی اپنی

پسند، ناپسند اور ذاتی رائے کو چھوڑ کر حقیقی حالات و واقعات کو عوام کے سامنے لانے کا پابند ہوتا ہے۔ ایک صحافی پوری طرح سے کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھا سکے۔ صحافت میں صحافی اپنے لفظوں کا ذخیرہ اٹھا کر معاشرے میں ہونے والے حالات و واقعات سے آگاہی دیتا ہے۔ معاشرے میں پھیلنے والی وباؤں کے بارے میں عبدالودود قریشی نے اپنے کالموں میں نہایت اختصار کے ساتھ لکھا کہ لوگوں کو سپلائی کیا جانے والا گندا پانی، پیٹ کی بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ ایسی تمام باتوں کا اپنے کالموں میں ذکر کر کے عبدالودود نے اپنے سیاسی نظام کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حکمران کس طرح حکومت میں آکر اپنے ذاتی مفاد کو فوقیت دیتے ہوئے اپنے مفادات حل کرنے میں لگے رہتے ہیں اور عوام کا کوئی خیال نہیں ہوتا۔ انتظامیہ کی نااہلی ہی ہے کہ ملک کے اندر امیر و غریب کے لیے الگ الگ قانون ہوتا ہے۔ عبدالودود قریشی اختصار پسندی سے بڑھتی ہوئی ملکی آبادی کے معاشرے پر پڑنے والے اثرات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ہر لمحے ایک نیا بچہ جنم لے رہا ہے اور بڑھتی ہوئی یہ آبادی کسی بھی ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ زندگی نام ہی تغیر کا ہے۔ ہر وقت اور ہر حال میں معاشرے نے ترقی کی ہے۔ وہ تمام چیزیں جو کہ ماضی میں مسائل کے حل کے لیے استعمال ہوتی تھیں اب وہ مسائل کے حل کے لیے استعمال نہیں ہوتیں کیونکہ ہر معاشرے کے گزرتے وقت کے ساتھ نئے مسائل ہوتے ہیں اور جن مسائل کے خاتمے کے لیے وقت کے ساتھ نئی ضروریات درکار ہوتی ہیں۔ مثلاً ماضی میں کمپیوٹر کا سائز ایک کمرے کے برابر ہوتا تھا لیکن بدلتے وقت کے ساتھ ٹیکنالوجی کی ترقی سے آج ایک لیپ ٹاپ کی شکل میں ایجاد ہو چکا ہے جسے آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اس کی بدولت تمام کام آسانی سے کیے جا سکتے ہیں۔ عبدالودود قریشی بھی اپنے کام میں وقت کے ساتھ تغیر کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔

> "اگر ملک میں ایسی قانون سازی کر دی جائے کہ عوام اور حکمران ایک جیسے سلوک کے مستحق ہوں۔۔۔ تو سیاسی اصطلاح میں انقلاب کہلائے گا۔" ۲۴

زندگی رکنے کا نہیں بلکہ تغیر کا نام ہے جو انسان تغیر کے اس دور میں اپنے آپ کو نہیں بدلتا وہ بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ ہر انسان کی نفسیات دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اور اسی بدولت کوئی بھی ادیب اپنی تحریروں میں ایسے الفاظ اور باتوں کا انتخاب کرتا ہے کہ جس سے پڑھنے والے کو اچھے سے سمجھ آسکے۔ کالم نویسی موجودہ دور میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ذریعے ہمارے ادیب معاشرے میں ہونے

والے واقعات کو عوام تک پہنچاتے ہیں۔ عوام کو موجودہ حالات سے آگاہ رکھتے ہیں۔ پرانے وقتوں میں ادب میں افسانوں اور ناولوں نے بہت نام کمایا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کے اس دور میں وقت کی کمی کی بدولت اور انسان کے مختصر وقت کی بدولت کالم ہی وہ تحریر ہے جو انسان کو مختصر وقت میں حالات حاضرہ سے سے آگاہ رکھتے ہیں۔ ایک ادیب خلوصِ نیت سے معاشرے کی بھلائی کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے ذاتی مفاد کو ایک طرف رکھ کر اپنے قلم کو فقط عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اور عوام کو آگاہ رکھنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ کسی بھی ملک کا مستقبل اس کے نوجوان ہوتے ہیں۔ کسی بھی ملک کی ترقی کی دوڑ نوجوانوں ہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ معاشرے میں موجود دہشت گردی کسی بھی ملک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تعلیم ہی وہ زیور ہے جس سے آراستہ ہو کر ملک کے نوجوان ملک کو کامیابی کی طرف لا سکتے ہیں۔ عبدالودود نے اپنے کالم میں دہشت گردی کے اثرات کے بارے میں لکھا ہے کہ کسی بھی ملک کو ترقی کی طرف لانے میں وہاں کے افراد کا باشعور ہونا اور علم کے زیور سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔ تب ہی اس ملک سے غربت، دہشت گردی جیسی بیماریوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا جاسکے گا۔ عبدالودود قریشی اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> " دنیا میں دہشت گردی کا سب سے زیادہ شکار ہونے والا ملک پاکستان ہے جہاں بھارت، افغانستان، یوایس ایس آر اور اسرائیل نے منظم دہشت گردی کروائی۔ اس دہشت گردی کا سلسلہ افغانستان پر حملے کے بعد شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔۔۔ تعلیمی اور سماجی نظام میں تبدیلیاں لا کر ہی اس انتہا پسندی پر قابو پایا جاسکتا ہے۔"۲۵

ودود قریشی نے اپنے کالموں کو ابہام سے پاک کر کے اختصار پسندی سے لکھتے ہوئے باضابطہ طریقے سے ملک میں موجود خرابیوں کو زیر بحث لا کر عوام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

ب) کالموں کا اسلوبی تجزیہ

۱) کالم کا اسلوب

اسلوب کیا ہے؟

ادب و تخلیق کی پہچان اسلوب کہلاتا ہے۔ اسلوب کسی بھی ادیب کے ادب کو دوسرے سے مختلف بناتا ہے۔ اسلوب کی ایک الگ پہچان ہوتی ہے۔ اسلوب مختلف اقسام کا ہو سکتا ہے۔ کسی بھی تحریر کو دوسری

تحریروں سے جدا کرنے کا سبب اسلوب ہی ہوتا ہے۔ ہر ادیب کی پہچان اس کا اسلوب ہوتا ہے دراصل اسلوب ایک دستخط یا زبان ہے کہ جس کی بناء پر ادیب اپنی پہچان بناتے ہیں جو کہ ادب کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ تہذیب و تمدن اور ثقافت ہمیشہ اسلوب کا حصہ رہے ہیں۔ اسلوب سائنس کی وہ شاخ ہے جس کا مطالعہ فن پاروں کے تجزیے سے کیا جاتا ہے۔ اسلوب کا مطالعہ کئی طریقوں سے کیا جاسکتا ہے یعنی خصوصی یا عمومی مطالعہ۔ خصوصی اور عمومی مطالعہ میں فرق یہ ہے کہ عمومی مطالعے میں لکھنے والے کے اسلوب اور اس کے لب و لہجے کا اظہار دیکھنے کو ملتا ہے جب کہ خصوصی مطالعہ میں اسلوب کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں جسے اسلوبیات کہا جاتا ہے۔ اسلوب اور اسلوبیات دونوں مطالعے میں منفرد مفہوم ہوتا ہے۔ اسلوب کی انفرادیت کی بناء پر ہی ایک ادیب یا شاعر اپنی منفرد پہچان بنا سکتا ہے۔ اسلوب کے منفرد ہونے کا انحصار ادیب پر ہوتا ہے کہ وہ کن چیزوں کو دیکھ کر سمجھتا ہے اور کس طرح کی زبان استعمال کرتے ہوئے اپنے تجزیے کو الفاظ کا رنگ دیتا ہے۔ اسلوب وہ پیمانہ ہے جس میں لکھنے والے کو زبان کی قید میں رہ کر لکھنا پڑتا ہے یعنی ادیب لکھتے وقت اپنے اردگرد بولی یا سمجھے جانے والی زبان کا چناؤ کرتا ہے تاکہ وہ اپنی تحریر میں جان پیدا کر سکے۔ کسی بھی ادیب کے لکھے گئے ادب کو دیکھا جائے تو وہ ادب ادیب کے معاشرے میں موجود حالات کی عکاسی کرتا ہے جیسا کہ میر تقی میر کے کلام میں اداسی کا عنصر واضح نظر آتا ہے کیونکہ ان کا دور برصغیر میں کفر کے غلبے کا دور تھا جس میں ناامیدی اور غم غالب تھے اسی وجہ سے ان کی تحریروں میں ناامیدی اور غم کی کیفیات پائی جاتی ہیں۔

مختلف ادیبوں کے نزدیک اسلوب کے بنیادی تصورات حسن محمد عسکری کے مطابق انسان کو اللہ نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے اور انہیں صلاحیتوں کی بناء پر انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل ہے کیونکہ انسان اپنی سوچ سمجھ، دلچسپی اور محنت سے اپنی راہ میں حائل مشکلات کو ختم کر کے ترقی کی جانب سفر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ انسان کا زندگی گزارنے کا اسٹائل بھی مختلف ہوتا ہے وہ وقت کے بدلاؤ کے ساتھ خود کو بدلنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان برصغیر سے آزاد ہوا حالانکہ یہ خارجی واقعات تھے لیکن اس وقت بھی لوگوں نے خود کو آنے والے حالات کے مطابق ڈھالا تاکہ وہ وقت کی رفتار سے ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکیں۔ تبدیلی کا انحصار انسان کی اپنی سوچ و سمجھ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کیونکہ سوچ ہی انسان کے اندر

خود کو بدلنے کی اور اپنے حالات سے سمجھوتا کر کے اپنے آپ کو بہتر کرنے کی صلاحیت اجاگر کرتی ہے۔ حسن محمد عسکری کے مطابق۔

> " ہماری اردو زبان ادب اور اس کے اسالیب ایسے زمانے کی پیداوار ہیں جب ہندوستان کا خارجی اقتدار ختم ہو رہا تھا مگر قوم نے ایک نیا اسلوب بیان ایجاد کر کے اپنے کردار، اپنے وجود کو از سر نو ترتیب دیا اور اپنی زندگی کا ثبوت پیش کیا۔" ۲۶

عناصر چاہے داخلی ہوں یا خارجی وہ انسان کے اظہار کا ایک ذریعہ بنتے ہیں اسی طرح اسلوب بھی تب تک اہمیت کا حامل ہے جب تک اس کی الگ پہچان ہو۔ اگر کسی لکھاری کا اسلوب انفرادیت سے عاری ہے تو اس کی تحریر کی کوئی پہچان نہیں ہے۔ کوئی بھی ادیب اپنی سوچ اور تجربے کی بناء پر اپنے اسلوب کا ایک ڈھانچہ تعمیر کرتا ہے۔ اس ادیب کا تجربہ ہی اس ڈھانچے کے اندر جان پیدا کرتا ہے یعنی اس ڈھانچے کی اہمیت کو برقرار رکھتا ہے۔ کسی بھی تحریر کو کو دیر تک اثر انداز رکھنے کے لیے ادیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تحریر کے لئے اچھے موضوع کا انتخاب اور اچھے الفاظ کا استعمال کرے جو قاری کے دل پر گہری چھاپ چھوڑ جائیں۔ اسلوب کو کہیں سٹائل کہا جاتا ہے اور کہیں زبان کے اظہار کا ذریعہ۔ لیکن دیکھا جائے تو انگریزی لفظ سٹائل ہی بہتر ہے کیونکہ اگر ہم کہیں کہ کسی بھی میدان میں ایک کھلاڑی جب اچھی کارکردگی دکھاتا ہے تو شائقین کی طرف سے دیئے جانے والے اظہار کو ہاتھ اٹھا کر داد کو وصول کرتا ہے اور ہاتھ اٹھا کر داد وصول کرنے کا طریقہ اسٹائل کہلاتا ہے یہاں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کھلاڑی کے جذبات کا اظہار یا طرز ہے۔ کسی بھی انسان کی پہچان اس کی انفرادیت کی بناء پر ہوتی ہے اسی طرح کسی کالم نگار، شاعر یا ادیب کی پہچان اس کے خیالات یا تصورات کی بناء پر نہیں بلکہ اس کی تحریروں میں استعمال ہونے والی جداگانہ سوچ پر ہوتی ہے۔

۱) کالم کا اسلوب

کسی بھی کالم نگار کا اسلوب ہی اسے دوسروں سے مختلف بناتا ہے۔ کسی بھی کالم نگار میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ وقت کے حساب سے خود کو بدل کر اپنی تحریروں میں تغیر اور انفرادیت لاتا ہے۔ اگر کوئی بھی کالم نگار بدلتے معاشرے کے ساتھ خود کو نہ بدلے تو اس کے کالم، اس کا ادب اور ادبی فن پاروں کی خوبصورتی اور دلکشی ختم ہو جاتی ہے۔ اپنی تحریروں میں انفرادیت اور جاذبیت لانے کی بناء پر ہی کسی بھی کالم نگار کے کالم اور

ادب کی تکمیل ہوتی ہے۔ ممتاز حسین کے نزدیک انسان کے اسلوب کا تعلق انسان کے دماغ کی کشمکش سے ہوتا ہے۔ صحافت میں اسلوب کو نہایت اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ صحافی پر منحصر ہے کہ وہ کس طرح سے اور کس اسٹائل سے خبر لوگوں تک پہنچاتا ہے اور کوئی بھی چیز یا حالات و واقعات صحافی کو اسلوب نہیں سکھا سکتے بلکہ وہ خود اپنے کوششوں سے اپنی تحریروں میں انفرادیت لا سکتا ہے۔ جب صحافی کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس کی تحریر مکمل مفہوم سے بھرپور ہے۔ ن۔م۔ راشد کے نزدیک

"اسلوب بیان ایک ہلتا جلتا نشوونما پاتا ہوا جسم ہے اس کی مثال نہ تو اس پوشاک کی ہے جو ہم پہنتے ہیں اور نہ ہماری رفتار و گرفتار بلکہ یہ خود گوشت اور خون کا بنا ہوا جسم ہے جس کے اندر ادیب کے ادراکات، احساسات اور خیالات دھڑکتے ہیں۔"۲۷

ہر ایک تحریر میں دلچسپی کا عنصر، اختصار پسندی، جامعیت، الفاظ کی صحت اور جذبات لازمی پہلو ہیں۔

والٹر پیٹر اپنے تحریر کردہ مضمون میں سٹائل کی تاریخ کچھ ان الفاظ سے کرتا ہے۔

Style is a certain absolute and unique of expressing and thing in all its intensity and colour." 28

اسلوب یونانی زبان کے لفظ سے نکلا ہے جس کے معنی اوزار یا ہاتھی کے دانت کے ہیں۔ اسلوب کا اثر طرز بیان، نظم یا نثر دونوں پر ہوتا ہے۔ نثری طرز بیان کو Prose style اور طرز بیان کو poetic style کہا جاتا ہے. اسلوب اپنے اندر مختلف معانی سمیٹے ہوئے ہے یعنی کوئی بھی راستہ، طریقہ یا ڈھنگ۔ اسلوب کے اظہار کے لئے اپنے خیالات اور احساسات کو اس طرح سے بیان کرنا کہ وہ اپنی انفرادیت و جامعیت قائم رکھیں۔ حامد اللہ افسر کے مطابق

"اسلوب بیان یا اسٹائل سے مراد کسی مصنف کا وہ طرز تحریر ہے جو اسی مصنف کے ساتھ مخصوص ہو اور اس کی تحریر کی امتیازی خصوصیات کا حامل ہو۔"۲۹

ادب زندگی کا ترجمان ہوتا ہے لیکن ادب کی خود کی ترجمانی ادیب و شاعر کرتے ہیں۔ ایک ادیب یا کالم نگار اپنی تحریر میں سادہ الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے اپنے خیالات و تصورات اور اپنے ارد گرد رونما ہونے والے واقعات کو الفاظ کے ڈھنگ میں ڈھال کر پڑھنے والوں کے لیے پیش کرتا ہے۔ اسلوب اور حسن و جمال کا تعلق گہرا اور خوبصورت ہے۔ جو حسن ایک بچے میں ہے وہ جس طرح پیش کرے گا اس کے مقابلے میں

ایک بالغ شخص کے پیش کرنے کا طریقہ مختلف اور انتہائی بہتر ہوتا ہے۔ صحافت کے میدان میں کالم نے نہایت اہمیت حاصل کی اور کالم کئی اقسام کے ہوتے ہیں۔ سیاسی، مزاحیہ، فکاہیہ، تاریخی، معاشی، اقتصادی اور سائنسی وفنی طریقے سے متعلق ہر عنوان پر کالم لکھے جاتے ہیں۔ وقت اور حالات کے لحاظ سے کالم زندگی کے ہر پہلو پر لکھا جاتا ہے۔ کالم میں کالم نویس اپنے خیالات اور تصورات کو اپنے لب ولہجے میں بیان کرتا ہے۔ اپنے تجربے کی بناء پر کالم نویس اپنی تحریر کو پر کشش بناتا ہے۔ کالم میں کالم نگار عام اور سادہ الفاظ کے ساتھ اپنے بے تکلفانہ اور دوستانہ ماحول کی بناء پر قارئین کی دلچسپی اپنی جانب بڑھاتا ہے لیکن کچھ علم مشکل اور پیچیدہ تحریر پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ انتہائی مہارت کا کام ہے کہ اپنے کالم میں سادہ اور عام الفاظ استعمال کیے جائیں کیونکہ پڑھنے والے تمام قارئین خواندہ نہیں ہوتے۔ ضروری ہے کہ کالم میں ایسے الفاظ کا چناؤ کیا جائے کہ پڑھنے والا کالم پڑھ کر مکمل معلومات اخذ کر سکے۔ کالم میں تاریخی، علمی وادبی، سیاسی، سماجی پہلو پر مبنی موضوعات ہوتے ہیں۔ کسی بھی پہلو پر لکھنے کے لیے ایک مستقل عنوان کے تحت کام شروع کیا جاتا ہے۔ مثلاً عبدالودود قریشی کے زیادہ تر کالم کے موضوعات سیاست کے مختلف عنوانات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن میں سیاسی کارکنان اور سیاسی رہنماؤں کے آپس کے تعلقات، حکومت اور اداروں کے بارے میں لکھتے ہیں۔ جس طرح کے معاشرے میں چلنے والے ثقافتی اور ادبی حالات و واقعات ہوتے ہیں ان کے مطابق کالم کو نام دیتے ہیں۔ آپ کے کالم معاشرے کے افراد کو بات آسانی سے سمجھانے والے ہوتے ہیں اپنے کالم میں اس طرح کے الفاظ وزبان استعمال کرتے ہیں کہ قارئین سمجھتے ہیں کہ یہ آپ کے ہی دل کی بات کی جارہی ہے۔ ادبی اور علمی کالم اس انداز سے منظر عام پر لائے جاتے ہیں کہ جیسے ان میں ثقافت، تہذیب وتمدن کا موازنہ کیا جارہا ہو۔ کسی بھی ملک کو ترقی کی راہ پر لانے میں ادب اور علم اس ملک میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کالم ہی وہ ایک ذریعہ ہے جس کے ذریعے معاشرے کی اصلاح ممکن ہو پاتی ہے۔ معاشرے میں موجود برائیوں کو منظر عام پر لاکر انہیں سلجھانے کی تراکیب پیش کی جاتی ہیں۔ کالم نویس اپنے کلام میں سادہ اور آسان الفاظ استعمال کرتے ہوئے اپنے قارئین کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا ہے۔ کوئی بھی کالم اسی وقت اچھا سمجھا جاتا ہے جب اسے تکرار سے پاک کر کے پیش کیا جائے کیونکہ پیچیدہ اور سنجیدہ الفاظ والے کالم قاری کے لئے پڑھنے میں مشکلات کا سبب بنتے ہیں۔ کالم نویس کا چیزوں کو دیکھنے، معاشرے کا اور سوچنے اور سمجھنے کا تجربہ عام انسان سے زیادہ ہوتا ہے

اپنے تجربے اور معلومات ہی کی بناء پر کالم نویس مختلف واقعات اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے کالم کو منفرد اور جامع بناتا ہے جس سے قاری کو آسانی رہتی ہے۔

۲) ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے اسلوب کے خصائص

اردو صحافت میں کالم نویسی نے ایک اہم کردار ادا کر کے گہری چھاپ چھوڑی ہے. کالم نگاروں نے اسی چھاپ کو اپنے علم و ہنر میں اضافے کی بنیاد بنایا ہے۔ عبدالودود قریشی کے اسلوب کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں اصولوں کی پابندی نہیں کرتے وہ اصول و ضوابط سے ہٹ کر انتہائی سادہ الفاظ میں کہیں شاعری، کہیں ضرب المثل کے اور اردو محاوروں کا استعمال کرتے ہوئے انتہائی سادہ الفاظ میں اپنے بات قاری تک پہنچاتے ہیں۔ جہاں ایک طرف وہ اپنے کالموں میں سادگی رکھتے ہیں وہاں دوسری طرف اپنے معاشرے میں موجود تلخ حقیقتوں کو بھی اپنے کالموں کے ذریعے منظر عام پر لاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ معاشرے میں غربت، بدعنوانی، تشدد، فحاشی، کرپشن اور ریاکاری ہی وہ عوامل ہیں جو کہ معاشرے کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں ہیں۔ عبدالودود نے ایک اچھے لکھاری کی حیثیت سے صحافتی میدان میں اپنا نام کمایا۔ آپ کی تحریریں سادہ الفاظ پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر طنز و مزاح بھی رکھتی ہیں جسے قاری پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ اپنی تحریروں میں شاعری کا استعمال بھی کر لیتے ہیں جس سے تحریر پڑھنے والے کی دلچسپی بڑھتی ہے۔ وہ کوشش یہ کرتا ہے کہ پوری تحریر / کالم کو پڑھے کیونکہ ایسی تحریریں قاری کے اندر تجسس کا مادہ بیدار کرتی ہیں۔ عبدالودود قریشی اپنے کالموں میں مختلف شعراء کے اشعار خصوصاً علامہ اقبال کے اشعار کے حوالے دیتے ہیں۔

"جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی

اس کھیت کے ہر خوشئ گندم کو جلا دو سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ

جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو" ۳۰

یہاں اشعار کی مدد سے انھوں نے سیاستدانوں کی بدعنوانی کا ذکر کیا ہے کہ کوئی بھی حکمران جب بدعنوانی کا مرتکب ہوتا ہے تو ادارے اسے گرفتار کرنے کا حکم جاری کرتے ہیں تو پارلیمنٹ میں لڑائی جھگڑے اور چیخ و پکار دیکھنے کو ملتا ہے کہ پارلیمنٹ پر حملہ کر دیا گیا ہے۔ اگر درمیانے طبقے کے لوگ اور غریب مل کر اپنے

حقوق کے لئے کوشاں ہوں تو ممکن ہوتا ہے کہ لوگوں کا ہجوم پارلیمنٹ کو آگ لگادے۔یعنی جمہوریت کے نام پر پارلیمنٹ کو نقش کہن بنایا جارہا ہے۔ودود اپنے ایک اور کالم میں اقبال کے شعر کا حوالہ دیتے ہیں۔

"وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی

مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال بے نوازی" اس شعر میں انھوں نے بتایا کہ حکمران صرف اقتدار میں رہنے کو ہی اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔ بعض سیاسی حکمران حکومت میں رہنے کے لیے مخالف سیاسی جماعتوں اور حکمرانوں کے حوالے سے ایسی بے تکی باتیں کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ اپنی حکومت کے ختم یا تبدیل ہونے پر مخالفین کے خلاف جس کمال مہارت سے بانسریاں بجاتے ہیں وہ بھی ان کے کسی کام نہیں آ سکتیں۔ اس کے علاوہ عبدالودود نے اپنے کالموں کے ذریعے آج کی نوجوان نسل کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے کہ انھیں مغربی معاشرے کی تقلید نہ کر کے اپنے بزرگوں کی کامیابیوں سے سیکھنے کی تقلید کرتے ہیں کہ کس طرح سے خود میں جستجو اور لگن پیدا کر کے کامیابی کی راہ پر چلا جاسکتا ہے۔عبدالودود کو اپنی تحریروں میں انتہائی سادہ الفاظ استعمال کرنے کے ساتھ اس بات پر بھی عبور حاصل ہے کہ وہ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپ اپنے کالموں کے موضوعات اتنے دلچسپ اور تجسس سے بھرے ہوئے رکھتے ہیں کہ قاری ایسے موضوعات کو دیکھ کر ہی آپ کے کالم کو پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک اچھے کالم نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کالم کا عنوان اس طرح سے تجویز دے کہ اس عنوان کو دیکھتے ہی قاری کو اس کالم کو پڑھنے کے لئے اپنے اندر تجسس پیدا ہو۔ عبدالودود نے امریکہ اور۔۔۔ جرم ضعیفی کی سزا۔۔۔! کالم کا ایک موضوع یہ رکھا ہے اسے دیکھ کر قاری کے دل میں یہ تجسس ابھرتا ہے کہ آخر امریکہ میں ایسی کون سی تحریک ہے۔ اس عنوان کو قاری ایک خبر کی طرح لیتا ہے ہے اور ایک نئے تجسس کے ساتھ کالم کو پڑھنے شروع کرتا ہے۔ اس اسلوب کی خاصیت یہ ہے کہ عبدالودود نے اس میں امریکہ کی عراق پر لگائی جانے والی پابندیوں کو بیان کیا ہے۔ اس میں عبدالودود نے امریکہ کے معرکوں اور حماقتوں کا ذکر کیا ہے۔ امریکہ کی ترقی کا محور اس کے علم اور پیداواری صلاحیت کو قرار دیا گیا ہے۔یعنی جذبہ ایمان اور اتحاد کی بدولت کوئی بھی قوت حاصل کی جاسکتی ہے۔ مذاکرات کا انتظار کرتے کرتے خود کو بے رحم ہاتھوں کے سپرد کر دینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ خداوند کریم نے بھی فرمایا کہ جنگ کے لئے جتنی ہو سکے قوت حاصل کرنی چاہیے اسی میں فلاح ہے۔ کالم نگار موضوع کے ذریعے ہی اپنے اسلوب میں خصوصیت اور خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ لکھاری کی تحریر پڑھ کر

ہی قاری کی سوچ کو تقویت ملتی ہے۔ عبد الودود اپنے کالموں میں عام فہم اور سادہ زبان استعمال کرتے ہیں تو کہیں آپ کے کالموں کو یہ مہارت بھی حاصل ہے کہ کئی جگہ آپ مشکل الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں جو کہ حالات کے پیش نظر ہوں۔ آپ کے کالم پڑھنے سے عوام کے دلوں میں آزادی کی جدوجہد کے لئے نیا پاکستان بنانے کی لگن بڑھ جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے کالموں میں عوام کے دلوں اور حق کی بات اس طرح سے سادہ الفاظ کے ذریعے بتائی ہے کہ قاری آپ کے الفاظ پڑھ کر یہ سمجھتا ہے کہ جیسے یہ اس کے دل ہی کی بات کی جا رہی ہے۔ قاری آپ کی تحریریں پڑھ کر تقویت اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ آپ اپنے کالموں میں رعایا اور حکومت دونوں کی ذمہ داری کو ایک منفرد انداز میں بیان کرتے ہیں۔

> "ایک ایسی سڑک بھی ہے جس کا نام شاہراہ جمہوریت ہے کبھی تو اس کو لوگوں کے لئے کھول دیا جاتا ہے اور کبھی مکمل پابندی، شاید یہ مثال ملک میں جمہوریت کے ساتھ ہونے والے سلوک کی ایک ایسی مثال ہے جس کا مظاہرہ اس سڑک پر جمہوریت کی بحالی کے بعد کیا جا رہا ہے۔"۳۱

اس کالم میں آپ نے نہایت عمدگی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے جملوں کی شکل میں رعایا اور حکومت دونوں کے حقوق کے بارے میں لکھا ہے۔ آپ کے کالموں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ بدلتے وقت کے ساتھ اپنی تحریروں میں تغیر پیدا کرتے ہیں تاکہ معاشرے کے لوگ معاشرے میں ہونے والے واقعات اور حالات سے باخبر رہیں۔ اپنے ایک کالم "مثالی شہر میں مثالی حقیقتیں" میں انھوں نے زندگی کے ایک اہم پہلو تعلیم پر نظر ثانی کی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ کسی بھی معاشرے کو ترقی کی راہ پر لانے کے لئے اس معاشرے کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ معاشرے کو ترقی کی منازل پر گامزن کرنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں موجود تمام افراد، تمام بچے بچیوں کو بناء کسی تفریق کے تعلیم کی راہ پر چلنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ معاشرے کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکیں۔ تعلیم کی بنیادی اہمیت کو عبد الودود نے اپنے کالموں میں بغیر کسی لگی لپٹی کے سادہ الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے جو کہ قاری کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ کسی بھی تحریر کی جان اسلوب ہی ہوتا ہے اگر تحریر میں مختلف، پیچیدہ اور سخت الفاظ استعمال کیے جائیں تو قاری بوریت کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن آپ نے اپنے قاری کو بوریت سے نکالنے کے لیے اپنے کالموں کے عنوان انتہائی منفرد اور دلچسپ

رکھے ہیں کیونکہ پڑھنے والا ہمیشہ ایک مختلف موضوع کو دیکھ کر ہی کسی تحریر کو پڑھتا ہے۔ بقول ڈاکٹر شاہد صدیقی

"عبد الودود قریشی کا اسلوب نگارش سادہ اور دل نشین ہے۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اسے خوش اسلوبی سے اپنی تحریر میں پرونے پر قادر ہیں۔" ۳۲

آپ کے کالموں کے موضوعات پڑھتے ہی قاری کے ذہن میں یہ سوچ آتی ہے کہ ان کے کالم صرف سیاست سے جڑے ہوتے ہیں۔ آپ کے موضوعات دیکھ کر قاری کو پورے کالم پڑھنے کی دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ آپ اپنے کالموں کے ذریعے دور حاضر کی سیاست کو بیان کرتے ہیں کہ سیاسی اثرات کسی بھی معاشرے اور سماج پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ آپ نے اپنی تحریروں کی بدولت کالم کی بہت سی گرہیں کھولی ہیں۔ معاشرے میں سیاست کا عمل دخل کسی بھی صورت نہیں ہونا چاہیے۔ ملک میں موجود تمام مدرسوں اور سکولوں کے نصاب معاشرے کے قوانین کے ذریعے تشکیل پاتے ہیں۔

اور انہیں قوانین میں سیاست کا عمل دخل معاشرے کو بگاڑ سکتا ہے۔ آپ نے اپنے کالموں میں روزمرہ مکالمے بھی استعمال کیے ہیں۔ آپ کے مطابق سادہ الفاظ ہی پڑھنے والوں کو آپ کی طرف متوجہ کر سکتے ہیں۔

"عید مسلمانوں کے لئے خوشیوں کا تہوار ہے۔" ۳۳

آغاز ہی میں ایک دلچسپ جملہ ڈال کر قاری کی دلچسپی کو بڑھا دیا ہے۔ پڑھنے والا اپنے تاثرات میں چاشنی اور لذت محسوس کرتا ہے۔ ایسی تحریریں آپ کے کالموں میں مٹھاس بھر دیتی ہیں۔ ایک اور کالم جو کہ عبد الودود کے اسلوب کی خاصیت کو بیان کرتا ہے کہ "بد عنوانی کی حمایت اور پارلیمنٹ کا فورم" آپ کے الفاظ سے قاری کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا لیکن موجودہ وقت میں حسب نسب اور ذات پات کے فرق نے ایک انسان کو دوسرے سے بدتر سمجھنے پر مجبور کر دیا ہے جس سے انسانیت منوں مٹی تلے دفن ہو چکی ہے۔

۳) ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے اسلوب کی انفرادیت

کسی بھی کالم نگار کے اسلوب کی انفرادیت اس اسلوب میں موجود خوبیوں سے منسوب ہوتی ہے۔ کوئی بھی تحریر خواہ وہ مختصر ہو یا طویل، اپنے اندر موجود الفاظ کی خوبیوں اور گہرائیوں سے ہی اپنی الگ پہچان بناتی ہے۔ اپنے اسلوب میں انفرادیت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسی زبان اور مانوس الفاظ کا استعمال کیا جائے جس سے معاشرے میں موجود زیادہ سے زیادہ لوگ آسانی سے سمجھ کر استفادہ حاصل کر سکیں۔ مانوس الفاظ کسی بھی اسلوب کو جاندار اور دلکش بناتے ہیں۔ صحافت کی مختلف اقسام ہوتی ہیں جنکا مقصد عوام کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے ادب میں الفاظ کا استعمال سوچ سمجھ کر اور محتاط طریقے سے کیا جاتا ہے کیونکہ ادب معاشرے کی حقیقی صورت تمام افراد کے سامنے لاتا ہے۔ ادب میں بے شمار واقعات موجود ہوتے ہیں جو کہ انسانوں کو معاشرے میں ہونے والے والے مختلف حالات سے آگاہ کرتے ہیں اور ادب ہی کی بدولت نئ آنے والی نسل کی بہترین کفالت کی جاسکتی ہے۔ عبد الودود قریشی کے کالموں کے اسلوب کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے عام فہم اور سادہ الفاظ کا استعمال کیا ہے اور اپنی تحریروں میں ہمیشہ الگ اور منفرد موضوعات کا انتخاب کیا جو قاری کے تجسس کو بڑھاتے ہیں۔ صحافی اپنے کام میں ایک عام زبان استعمال کرنے کا پابند ہوتا ہے وہ اپنی زبان میں تشبیہات، کنایہ اور استعارہ استعمال نہیں کر سکتا لیکن ایک ادیب کو یہ فوقیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ وہ اپنے الفاظ میں استعارہ، کنایہ اور تشبیہ اور مشکل الفاظ وتراکیب کا استعمال کر سکتا ہے لیکن عبد الودود نے اپنے کالموں کو عروج کا ذریعہ بنایا اپنے کالموں میں آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کیے اور اپنے منفرد موضوعات کی وجہ سے قارئین کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی۔ ڈاکٹر قمر غزنوی کے مطابق

> "عبد الودود نے بڑے سادہ لفظوں کو عالمانہ سانچے میں ڈال دیا ہے، ان لفظوں کی گہرائی و گیرائی میں ایک جہان معنی پوشیدہ ہے۔۔۔ ان کی شگفتہ تحریر اور توانا انداز کا کرشمہ ہے کہ پڑھنے والا ان کی تحریر کے سحر میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے۔ زبان اور بیان پر آپ کو مکمل عبور حاصل ہے۔"۳۴

عبد الودود قریشی نے زندگی کے ہر شعبے کو اپنے کالموں کا حصہ بنایا ہے جیسے کہ ان کے کالم کرپشن، جھوٹے وعدے، آمریت کے عروج اور بدعنوانی کو ظاہر کرتے ہیں۔ عوام ان تمام واقعات وحالات کو دلچسپی سے پڑھ کر اپنے اردگرد سے باخبر رہتے ہیں۔ آپ کے کالم حالات حاضرہ سے متعلق عوام کو معلومات فراہم

کرتے ہیں۔ آپ کے کالموں کی انفرادیت امید کے چراغ روشن کر کے ان چراغوں سے راستوں کو آسان بنانا ہے۔ اپنے کالموں میں ایک فرد، قبیلے یا گروہ کی طرف نہیں بلکہ معاشرے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ معاشرے میں تنگدستی، غربت اور ملک کی معاشی حالت بگڑتی جارہی ہے اس کا سبب حکمرانوں کا اپنا مفاد دیکھنا اور دولت کی غیر مساوی تقسیم ہے۔ معاشرے میں موجود افراد میں ادب اور تعلیم کی کمی ہے۔ عبدالودود اپنے کالموں میں بتاتے ہیں کہ جس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں یہاں ترقی کرنا ممکن نہیں ہے۔ آپ کے کالموں کے انفرادی موضوعات اپنی الگ ہی خاصیت رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے کاموں میں زندگی کے ہر پہلو سے تعلق رکھنے والے موضوعات کو اٹھا کر ان پر بات کی۔ آپ نے اپنے کالموں میں اس طرح سے عام فہم اور سادہ الفاظ کا استعمال کیا ہے جو کہ پڑھنے والے کو تجسس میں مبتلا نہ کرے بلکہ پڑھنے والا ان الفاظ کو پڑھ کر تحریروں میں موجود واقعات کو خود سے وابستہ کر کے دیکھتا ہے جیسے یہ تمام حالات و واقعات خود قاری کے ساتھ گزرے ہوں۔ آپ کے اسلوب کی انفرادی خاصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے کالموں میں روزمرہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ملاحظہ ہے۔

> " اسلام آباد کو ایک مثالی شہر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔۔۔ یہاں کی پولیس قدرے تمیز سے بات کرتی ہے یہاں کی سڑکوں کی مرمت اور رنگ و روغن کا خاص خیال رکھا جاتا ہے سڑکوں کے کناروں اور چوراہوں پر پھولوں کو اگایا اور سجایا جاتا ہے۔"۳۵

آپ کے کالم کے اس اسلوب میں انفرادیت واضح ہوتی ہے آپ نے سیاست کا پہلو اس طرح سے روشن کروایا ہے کہ عوام کو لگتا ہے کہ یہ حالات و واقعات ان پر سے گزر رہے ہیں یعنی کسی بھی صورت میں عوام کے مفاد کو اپنے ذاتی مفادات پر ترجیح دینا انسانیت کے خلاف ہے۔

> " سیاستدانوں کی بددیانتی کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔۔۔ اس فیصلے سے ملک کی سیاست میں ایک نئی تبدیلی آئے گی اور سیاستدان بھی محتاط ہو جائیں گے۔"۳۶

آپ کے کالم کے موضوعات انتہائی جامعیت کے حامل ہوتے ہیں جنہیں پڑھ کر ہی یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا کہ یہ تحریر کس حوالے سے لکھی گئی ہے۔ آپ کے عنوانات سے قاری کو اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کس طرح وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ روایات کو بدلتا ہے۔ ملک کی ترقی، تہذیب و تمدن اور ثقافت بدلتے وقت کا آئینہ دار ہوتی ہیں۔ عبدالودود قریشی کے اسلوب کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ وہ لکھتے

ہوئے ایسے سادگی سے منظر نگاری کرتے ہیں کہ قاری کو لگتا ہے کہ وہ یہ سب اپنی آنکھوں سے ہوتا دیکھ رہا ہے۔ آپ اپنے کالموں میں انسانوں کے ضمیر جگانے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ کے اسلوب کی یہی خاصیت انھیں دوسروں سے مختلف بناتی ہے۔

"زبانی طور پر کہہ دینا کہ وزیر اعظم عوام کے سامنے جوابدہ ہو گا کوئی عملی بات نہیں ہے اور پھر یہ کہنا کہ حکمران عوام کو جواب دے ہو گا عجب سی بات لگتی ہے۔ کیوں کہ جمہوری اور آئینی ملک میں جواب دہی عدلیہ کے سامنے ہی ہوتی ہے۔"۳۷

اسی طرح عبد الودود کے کالم "کیا حکمران جواب دہ ہو گا" کے موضوع کا انتخاب اس طرح سے کیا ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں مختلف سوال پیدا ہوتے ہیں۔ کیا حکمرانوں سے بھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے، کیا حکمران بھی غلطی مانتے ہیں؟ کیا وقت کا قانون سب کے لئے برابر ہے، کیا دنیا مکافات عمل ہے؟ کیا خدا کے ہاں غریب اور امیر کو ایک ہی ترازو میں رکھ کر تولا جاتا ہے؟

ج) ڈاکٹر عبد الودود قریشی کے کالموں کا لسانی تجزیہ

کالموں میں استعمال ہونے والے محاورات کی فہرست:

۱) سونے پر سہاگہ ہو گا

۲) جان کا نذرانہ پیش کیا

۳) جلتی پر تیل کا کام کیا

۴) جان کے لالے پڑنا

۵) آدھا تیتر اور آدھا بٹیر (ضرب المثل)

۶) جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں

۷) چپ سادھ لینا

۸) نقدی بٹورنا

۹) کانوں کان خبر نہ ہونا

۱۰) آٹے میں نمک کے برابر

آج پاکستان میں اردو لاہور اور پنجاب کے دیگر شہروں میں بولی اور لکھی جاتی ہے۔ اردو کے سب سے زیادہ لکھاری لاہور اور پنجاب میں پائے جاتے ہیں۔ اردو کالم نگاری نے اردو زبان کی ترقی و ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کی زبان قاری کی سمجھ میں آسانی سے آجاتی ہے۔ اردو، فارسی اور عربی میں مہارت کی وجہ سے ان کے کالموں میں ان تینوں زبانوں کی ادبی چاشنی اور لذت و تازگی کا احساس ملتا ہے۔ ان کے اخباری مضامین اور کالم عام آدمی کی پہنچ میں ہوتے ہیں۔ اخبار ہر دفتر، ڈاکٹر کے کلینک، چائے کے کھوکھے اور کریانوں کی دکانوں پر پڑا ہوتا ہے اور ہر آدمی کی دسترس میں رہتا ہے۔ ان کے کالم عام آدمی پڑھتا ہے، ان سے محظوظ ہوتا ہے اور ان کے اخباری کالم کی زبان سے متاثر ہوتا چلا جاتا ہے۔

> " وفاقی محتسب کو بھی بیوروکریسی پر بھاری جرمانے کرنے اور سزا دینے کا اختیار دے دیا جائے تو پھر سونے پر سہاگہ ہوگا، سیاستدان اور بیوروکریسی کے ارکان کا احتساب ہونے سے لوگوں میں تحفظ کا احساس پیدا ہوگا۔ "۳۸

ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں میں استعمال ہونے والے محاورات ان کی تحریروں میں خوبصورتی اور ادبی رنگ لاتے ہیں۔

> "اس پرچم کے ساتھ وابستگی کو دیکھا جائے تو اس کو لہرانے کے لیے لاکھوں لوگوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اس سے محبت اور عقیدت کے لیے ہزاروں بیٹیوں کو بے آبرو کیا گیا۔ "۳۹

اخبار اور اخبارات میں شائع ہونے والی تحریریں کسی زبان کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں. یہ تحریریں عام آدمی کی روزمرہ تصویر بھی ہوتی ہیں اور تفسیر بھی۔ ایسے لوگ جو تحریروں کا مطالعہ نہیں کرسکتے وہ دوسرے پڑھنے والوں سے سنتے اور متاثر ہوتے ہیں۔ وہ زبان جس میں یہ اخباری تحریریں شائع ہوتی ہیں معاشرے میں مروج ہوتی چلی جاتی ہیں اور ہر گزرتے دن کے ساتھ ترقی بھی کرتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی کی تحریریں عوام میں مقبولیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنی بات کو عام آدمی کو سمجھانے کے لیے اردو زبان کو سادہ اور سلیس بنایا اور اس میں ہر قسم کے سیاسی، معاشرتی، علمی، اخلاقی اور حالات حاضرہ سے متعلق موضوعات پر لکھا۔ ملکی سیاست پر ان کی گہری نظر ہے۔ یہ سیاست اور دیگر معاملات زندگی کے بارے میں اپنا

ایک الگ نظریہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور کاوشوں سے اردو زبان اور اردو صحافت کو بہت کچھ دیا۔ بڑے جوش و جذبے سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور عربی و فارسی زبان پر دسترس ہونے کی وجہ سے ان زبانوں کے الفاظ و تراکیب کا استعمال کر جاتے ہیں۔ ان کی تحریر ان کی علمی و ادبی استعداد کا منہ بولتا ثبوت ہوتی ہے۔ بڑے برمحل محاورے استعمال کرتے ہیں جس سے ان کی تحریر اور بھی خوبصورت ہو جاتی ہے۔

"ذرائع ابلاغ کے متعلق کچھ لوگ حکومت کو ناکام بنانے کی انتہائی آرزو لیے خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں اپنی خواہشوں کو خبروں کا نام دیتے ہیں اپنی آرزوؤں کو تبصروں میں رنگ آمیزی کے لیے استعمال کرتے ہیں اور شیخ رشید احمد کے اس جملے نے "میڈیا بلا الزام ہی فرضی ملزم کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے" نے جلتی پر تیل کا کام کیا اس کے جواب میں جس تقریر کی توقع تھی وہ سی پی این ایس کے صدر عارف نظامی نے کر دی انہوں نے کہا کہ یہ ستم ظریفی ہے کہ اب سرکاری ادارے میڈیا کو اس کے کردار سے آگاہ کرنے چلے ہیں۔"۴۰

انہوں نے عام سے عام واقعہ کو کچھ اس انداز میں لکھا ہے کہ قاری پڑھ کر محظوظ ہوتا ہے۔ انہیں زباں و بیان پر پوری دسترس حاصل ہے۔ ان کی تحریر میں طنز و مزاح کم دیکھنے کو ملتا ہے جبکہ سنجیدگی زیادہ نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنے کالموں میں زبان کے مختلف استعمالات کو مد نظر رکھا۔ زبان کے مختلف استعمالات میں مندرجہ ذیل نمایاں ہیں۔

۱) روزمرہ بول چال کی زبان

۲) ادبی زبان

۳) صحافتی زبان

۴) سائنسی زبان

روزمرہ کی زبان سادہ، عام زندگی کی ترجمان، بے تکلف، غیر مربوط اور کسی حد تک قائدے سے مبرا ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں علمی زبان مخصوص علوم کو بیان کرنے میں استعمال کی جاتی ہے۔ اس میں علمی

اصطلاحات، سنجیدگی، سپارٹ پن اور حقیقت بیانی کی خصوصیات پائی جاتی ہیں تاہم اس زبان میں بھی قواعد کی بہت زیادہ پابندی نہیں کی جاتی ہے۔

ادبی زبان سے مراد کسی زبان کے شعر و ادب کے اظہار کی زبان ہے۔ یہ ایک پر تکلف، تشبیہ و استعارے سے مزین قواعد وضوابط کی پابند، روزمرہ ومحاورہ پر مبنی ہوتی ہے۔ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ان کی تحریر میں ربط وتسلسل بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ادبی زبان میں اچھے سے اچھے الفاظ وتراکیب چن چن کر استعمال کرتے ہیں اور انداز بیاں کو خوبصورت بنانے کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔

"سپیشلسٹ اتنے بااثر ہیں کہ کئی وزراء اور وفاقی سیکرٹری ان کے دام میں آچکے ہیں اور انہیں دل کا مریض کہہ کر خوف دلاتے ہیں جب کسی کو جان کے لالے پڑتے ہوں تو وہ جسے اپنا مسیحا سمجھ بیٹھا ہے کے خلاف کیوں کر جائے۔ خدا کرے کہ وزیر صحت اپنی اس کاوش میں کامیاب ہوں اور ان کا یہ منصوبہ کہیں آدھا تیتر اور آدھا بٹیر نہ بنا دیا جائے۔"۴۱

اخبار اور اخباری تحریر کی زبان کو صحافتی زبان کہا جاتا ہے۔ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں کا مقصد عوام الناس کو سیاسی، معاشی و معاشرتی، روزمرہ ثقافتی واقعات، حالات حاضرہ سے متعلق تبصرے، سائنسی وعلمی ترقی وایجادات اور دریافتوں کے احوال سے باخبر رکھنا ہے۔ اپنی تحریر میں مشکل اور بھاری بھرکم الفاظ و تراکیب کا استعمال نہیں کرتے۔ یہ مشکل تشبیہات اور استعارے، غیر معروف ادبی حوالے اور مشکل الفاظ کو اپنی تحریر کا حصہ نہیں بناتے۔ بے ساختہ اور پر تکلف زبان کا استعمال کرتے ہیں اور غیر جانبداری سے حقائق بیان کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں چھوٹے اور سادہ جملے ہوتے ہیں اور طوالت سے اجتناب کرتے ہیں۔ کالموں میں واقعات کو بیان کرتے ہوئے قاری کی دلچسپی میں اضافہ کی خاطر سنسنی خیزی سے کام لیتے ہیں۔

"تین سال ایک ماہ بیس دن بعد قوم کو پھر ایک سانحہ نے جھنجوڑ کر رکھ دیا یہ درست ہے کہ قوموں کو اپنی بقاء اور کچھ حاصل کرنے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے مگر ایسے واقعات کا اعادہ جس میں کثیر تعداد میں معصوم شہری اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں، چپ سادھ لینا بھی ناقابلِ جرم ہوگا جس سے ایسے واقعات روزمرہ کا معمول بن جائیں گے۔" ۴۲

ڈاکٹر عبد الودود قریشی نے اپنے کالموں میں عام روزمرہ کی زبان میں لکھی۔ وہ زبان جو لوگ گلیوں، گھروں، دفتروں اور اپنی ٹیلی فونک گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ مجموعی رجحان یہی ہے کہ اب اخبار میں لکھی جانے والی (اور الیکٹرانک میڈیا پر بولے جانے والی) زبان ہی عام آدمی کی روزمرہ کی زبان ہوتی ہے۔

اپنے ایک کالم میں ڈاکٹر عبد الودود قریشی لکھتے ہیں

"میونسپل کارپوریشن کے ایک شخص نے نئی اختراع نکالی بھی تو انسانیت کے خلاف اور شہریوں کی صحت سے کھیلنے کے لئے جو لوگ اپنی ایجادات میں صرف اور صرف افسران کی خوشنودی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور در پردہ کچھ نقدی بٹورنا بھی ہوتا ہے ہمیشہ انسانیت کے لیے عذاب بنتے ہیں۔ ارباب اختیار کو ایسے موجد اور اسکے سرپرستوں کی ضرور خبر لینی چاہیے۔"۴۳

اردو زبان کی ترویج و ترقی میں اردو کالم نگاری نے خصوصی طور پر اور اردو صحافت نے عمومی طور پر اہم کردار ادا کیا ہے۔

معروف کالم نگار جاوید چوہدری سے یہ سوال کیا گیا کہ اردو کالم نے اردو زبان کی کتنی اور کیا خدمت کی ہے تو ان کا کہنا تھا۔

"اردو کالم نے اردو زبان کو آسان اور عام فہم بنانے میں اہم کردار ادا کیا، کالم سے پہلے لٹکانے کو آویزاں لکھا جاتا تھا، شرمندگی کو "منقار زیر پر" کہا جاتا تھا اور ڈپریشن کو آشفتگی تحریر کہا جاتا تھا، اردو کالم نے آشفتگی کو ڈپریشن، منقار زیر پر کو شرمندگی اور آویزں کو لٹکانا لکھنا شروع کیا چناچہ میرا ذاتی خیال ہے اردو کالم نہ ہوتا تو اردو زبان آج تک اتنی مشکل ہوتی جسے صرف حکیم پڑھ سکتے یا پھر مولانا ابوالکلام آزاد جیسے مفکرین۔"۴۴

جاوید چوہدری کا جواب کسی حد تک مبالغہ آرائی پر مشتمل ہے۔ یہ بات طے ہے کہ کالم نگاری میں اردو زبان کے پیرائیہ اظہار آسان ہوتے ہیں۔ اردو زبان کی ترویج و ترقی میں اردو کالم نگاری کا اہم کردار ہے لیکن یہ کہنا کہ اگر کالم نہ ہوتا تو اردو زبان آج اتنی مشکل ہوتی جسے مولانا ابوالکلام آزاد جیسے مفکرین پڑھ سکتے یا پھر حکیم درست نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اردو زبان کا دامن اردو کالم نگاری کی بدولت وسیع ہوا ہے۔ اس میں نئے اسلوب متعارف ہوئے ہیں۔ ہر دور میں درجنوں کالم نگار سامنے آتے رہے اور کالم لکھتے رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر کالم نگاروں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں یہ تمام مجموعے اردو زبان و ادب کا سرمایہ ہیں۔ اردو زبان کی ترویج و ترقی میں کالم نگاری کا بہت بڑا ہاتھ ہے کبھی عام لوگ اردو زبان بولتے تھے پھر یہ تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان بنی۔ آج ہر کوئی اردو بولتا ہے۔ اردو زبان پورے ملک میں سمجھی اور بولی جاتی ہے اس کو ہر دلعزیز بنانے میں میڈیا اور کالم کا کردار سب سے زیادہ اور اہم ہے۔ ڈاکٹر عبدالودود قریشی کی صحافت اور ادب میں موضوعات کے حوالے سے کوئی فرق نہیں ہے۔ معاشرے کو درپیش مسائل و معاملات انسان، انسانی معاشرہ دونوں کے موضوعات مشترک ہیں۔ صحافت معاشرے کی حقیقی اور زندہ تصویر کا نام ہے۔ ادب بھی معاشرے کا سچا ترجمان ہوتا ہے۔ معاشرے کے تمام معاملات و مسائل خواہ وہ سیاسی، مذہبی، اقتصادی یا سماجی ہوں ادب کے دائرہ اظہار میں آتے ہیں۔ صحافت کا دائرہ اظہار اس سے جداگانہ تو نہیں۔ صحافتی موضوع میں سے مقامیت کا رنگ ختم نہیں کیا جاسکتا جبکہ ادیب کا موضوع آفاقیت کا حامل ہوتا ہے۔ مگر یہ مقامیت اور آفاقیت کے معیارات کا سختی سے نفاذ جہاں بہت سی صحافتی تحریروں کو حدود ادب میں شامل کر دیتا ہے وہاں یہ چیز ادب و صحافت کے تعلق و رشتے کی بحث میں پلڑا صحافت کی طرف جھکا دیتی ہے۔

ان کی صحافیانہ تحریر سپاٹ، سیدھی سادی اور حقیقت نگاری پر مبنی ہوتی ہے۔ جس میں وہ اچھے سے اچھے الفاظ و تراکیب کا استعمال بھی کرتے ہیں اور روزمرہ اور محاورے کا بھی۔

> "تخریب کاری کے واقعات میں ملوث ہونے والے غیر ملکی ایجنٹوں کے راستے کا سراغ لگا کر اسے بند کر دیا گیا ہے یہ اتنی بڑی خبر تھی لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی ہوا یوں کہ معروف زمانہ میجر عامر کو حکومت پاکستان نے بطور ڈائریکٹر ایمی گریشن ایف آئی اے میں تعینات کر دیا"۔ ۴۵

ان کی تحریریں واقعات کو بغیر کسی ردوبدل کے بیان کرتی ہیں۔ ان کی بنیادی خوبی حقیقت بیانی ہے۔ صحافت میں خبر نگاری کے لیے حقیقت بیانی اور تخیل و جذبات سے اجتناب بہت ضروری ہوتا ہے۔

> "راولپنڈی میں صاحب اقتدار کو تقریب میں بلانے ساتھ تصاویر بنوانے اور ٹی وی پر ان کے ساتھ چہرہ دکھانے میں لوگوں نے نہ صرف کمال حاصل کیا بلکہ ان کو انتہائی مؤثر انداز میں

کیش بھی کروایا ہے گو کہ ان صلاحیتوں کے مالک افراد کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے مگر وہ نمایاں آٹے کی طرح ہیں، صاحب اقتدار بھی اس سے بخوبی واقف ہیں کہ نمک نے اپنے آپ کو آٹا بنا کر پیش کرنے میں کمال کر دیا ہے۔"۴۶

اگر اردو کالم اور صحافت اردو زبان کی یہ خدمت نہ کرتے تو اردو زبان شعر و افسانے تک ہی محدود رہتی اور بدلتے وقت کے تقاضوں کے مطابق نہ بدلتی اور نہ ہی ایک مقبول عام زبان کا روپ دھارتی اور نہ ہی آج دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے ہم پلہ درجہ حاصل کر پاتی۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان کو جو مقام آج حاصل ہوا ہے اس کے حصول میں اردو کالم نگاری اور صحافت کا اہم ترین کردار ہے۔

حوالہ جات

۱) عبد السلام خورشید، ڈاکٹر، فن صحافت، مکتبہ کارواں، کچہری روڈ، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۳

۲) شفیق جالندھری، ڈاکٹر، صحافت اور ابلاغ، اے۔ون پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۳

۳) ایضاً، ص ۱۲۴

۴) طارق مسعود، سید، ونڈر بوائے، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۸

۵) شفیق جالندھری، ڈاکٹر، صحافت اور ابلاغ، اے۔ون پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۳

۶) عبد الودود قریشی، ڈاکٹر، بھیک مانگنے کا حق ۔۔۔ عبد الستار ایدھی کا دکھ، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۵۳

۷) ایضاً، یوم آزادی، کشمیری اور بھارتی مسلمانوں پر بھاری، روزنامہ، ایشین نیوز، اسلام آباد، ۱۵ اگست ۲۰۱۹ء، شمارہ ۲۲۳

۸) ایضاً، سیاستدانوں کا عدالتی احتساب، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۶۸

۹) ایضاً، مثالی شہر میں مثالی حکومتیں، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۷۷-۷۶

۱۰) ایضاً، پارلیمنٹ اپنا اعتماد کھونے لگی، روزنامہ ایشین نیوز، اسلام آباد، ۱۹ جون ۲۰۱۹ء، شمارہ ۱۶۸

۱۱) ایضاً، دنیا کا خوبصورت پرچم، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۷

۱۲) ایضاً، کرونا وائرس معاشی دہشت گردی، روزنامہ ایشین نیوز، اسلام آباد، یکم فروری ۲۰۲۰ء، شمارہ ۳۲

۱۳) ایضاً، دنیا کا خوبصورت پرچم، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۷

۱۴) ایضاً، قابل فخر منفرد یوم پاکستان، روزنامہ ایشین نیوز، اسلام آباد، ۲۴ مارچ ۲۰۱۹ء، شمارہ ۸۳

۱۵) ایضاً، آزادیاں دو یا شریعت بل لاؤ، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۵

۱۶) عبد القادر حسن، لاہور، چراغ تلے روشنی، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۱

۱۷)	عبدالودود قریشی، ڈاکٹر، امریکہ اور۔۔۔جرم ضعیفی کی سزا۔۔۔! قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۴۰

۱۸) ایضاً، ۲۳ مارچ کی پریڈ، ایٹم بم دیکھنے کی خواہش، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص، ۲۳

۱۹) ایضاً، سیاسی جماعتوں میں بھی جمہوریت، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۵۸

۲۰)	ایضاً، اقوام کے ناقابل تسخیر ہونے کا راز، روزنامہ ایشین نیوز، اسلام آباد، ۲۰ مارچ ۲۰۱۹ء، شمارہ ۷۹

۲۱) محمد اجمل نیازی، پروفیسر ڈاکٹر، ناقابل ذکر، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۶-۱۵

۲۲)	عبدالودود قریشی، ڈاکٹر اقوام کے ناقابل تسخیر ہونے کا راز، روزنامہ ایشین نیوز، اسلام آباد، ۲۰ مارچ ۲۰۱۹ء، شمارہ ۷۹

۲۳)	ایضاً، مثالی شہر میں مثالی حقیقتیں، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۸۶

۲۴)	ایضاً، کیا حکمران جوابدہ ہو گا، روزنامہ ایشین نیوز، اسلام آباد، ۲۹ جنوری ۲۰۱۹ء، شمارہ ۲۹

۲۵)	ایضاً، نیوزی لینڈ مسجد پر حملے، روزنامہ ایشین نیوز، اسلام آباد، ۱۶ مارچ ۲۰۱۹ء، شمارہ ۷۵

۲۶)	قاسم یعقوب، اردو میں اسلوب اور اسلوبیات کے مباحث، منتخب تنقیدی مقالات، سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۷ء، ص ۷

۲۷)	ایضاً، ص ۲۲

۲۸)	ایضاً، ص ۲۸

۲۹)	ایضاً، ص ۴۷

۳۰)	عبدالودود قریشی، ڈاکٹر، بدعنوانی کی حمایت اور پارلیمنٹ کا فورم، روزنامہ ایشین نیوز، اسلام آباد، یکم جون ۲۰۱۹ء، شمارہ ۱۵۲

۳۱) ایضاً، مثالی شہر میں مثالی حقیقتیں، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۸۷-۸۶

۳۲) ایضاً، قومیت کی تشکیل، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۲۰۱۹ء

۳۳) عبدالودود قریشی، ڈاکٹر، چائے + گھی ۔۔۔ زہر، قابل ذکر کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۵۱

۳۴) ایضاً، قندیل فکر، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۲۰۱۷ء

۳۵) ایضاً، مثالی شہر میں مثالی حقیقتیں، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۸۵

۳۶) ایضاً ، سیاستدانوں کا عدالتی احتساب ، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ ،خالد بک ڈپو اردو بازار ،لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۶۹-۶۸

۳۷) ایضاً، کیا حکمران جوابدہ ہو گا، روزنامہ ایشین نیوز، اسلام آباد ۲۹ جنوری ۲۰۱۹ء، شمارہ ۲۹

۳۸) عبدالودود قریشی، ڈاکٹر، سیاستدانوں کا عدالتی احتساب، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴، ص ۶۹

۳۹) ایضاً، دنیا کا خوبصورت پرچم، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴، ص ۲۷

۴۰) ایضاً، جب ذرائع ابلاغ سراپا احتجاج ہیں ۔۔۔ سیمینار کا مشورہ کس نے دیا، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴، ص ۳۳- ۳۲

۴۱) ایضاً

۴۲) عبدالودود قریشی، ڈاکٹر، دوسری بار بارود بھڑک اٹھا، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ ،خالد بک ڈپو اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴، ص ۱۲۲

۴۳) عبدالودود قریشی، ڈاکٹر، میونسپل کارپوریشن میں انسانیت کش ایجاد، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۱۱

۴۴) جاوید چوہدری، "زیرو پوائنٹ"، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۱

۴۵) عبد الودود قریشی، ڈاکٹر، بھارتیوں کا بغیر ویزے کے قیام ۔۔۔ سفارتخانے کا تجسس، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴، ص ۳۰

۴۶) ایضاً، راولپنڈی کی جزوی آرائش، قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ، خالد بک ڈپو، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۶۰

باب چہارم

مجموعی جائزہ، نتائج سفارشات

۱) مجموعی جائزہ

ڈاکٹر عبدالودود قریشی پاکستان کے مشہور سینئر صحافی، ایڈیٹر، مصنف، کالم نگار اور تجزیہ کار ہیں۔ آپ کا تجربہ گورنمنٹ سروس، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا سے وابستہ ہے۔ یہ پاکستان کے مشہور اخبارات روزنامہ مرکز اور روزنامہ تعمیر کے علاوہ روزنامہ پاکستان اسلام آباد کے گروپ ایڈیٹر، روزنامہ خبریں اور روزمہ نئی بات کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر، روزنامہ جناح کے بانی ایڈیٹر رہے ہے جبکہ ہفت روزہ ادراک نو، روزنامہ ایشین نیوز کے بانی ایڈیٹر ہیں۔ ٹی وی اور اخبارات کے لیے قومی اور بین الاقوامی اعلیٰ شخصیات کے ہزاروں انٹرویوز لے چکے ہیں۔ سماجی خدمات سر انجام دینے میں کوئی ان کا ثانی نہیں۔ بحیثیت صحافی عبدالودود قریشی کسی پابندی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کام نہیں کرتے بلکہ اپنے نقطہ نظر کے حساب سے چیزوں کو دیکھتے ہیں اور پھر ان پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ پچھلے پنتالیس سالوں سے تحریریں لکھ رہے ہیں اور اپنی تحریروں کے ذریعے عوام کو حالات و واقعات سے باخبر اور آشنا کر رہے ہیں۔ جس طرح سے معاشرے میں چلنے والے معاملات کو دیکھتے ہیں بالکل اسی طرح انھیں عوام تک منتقل کرتے ہیں اور اس طرح منتقل کرتے ہیں کہ ان کے کالم میں بات کی اہمیت کے ساتھ ساتھ موضوع کی گہرائی اور انفرادیت بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ انہوں نے اپنے کالموں کے ذریعے سیاسی نظام کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے انہوں نے سیاسی نظام میں موجود تمام برائیوں کو گنوایا ہے اور عوام تک پہنچایا تا کہ عوام کی اصلاح کی جاسکے۔ انہوں نے بتایا کہ حکمران کس طرح جب انھیں ووٹ کی ضرورت ہوتی ہے تو عوام سے وعدے کرتے اور انہیں ان کے حقوق دلانے کے دعوے کرتے ہیں لیکن جوں ہی یہ حکمران اقتدار میں آتے ہیں تو عوام سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتے ہیں۔ عوام کے وعدوں پر پورا اترنا تو دور عوام سے ملنے تک سے منکر ہو جاتے ہیں اور یوں غریب غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور رہتا ہے اور امیر اپنے اثرورسوخ اور نام و دولت استعمال کرتے ہوئے ہر میدان میں کامیابی حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے معاشرے میں موجود برائیوں کو

اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کو حقیقت سے آشنا کر کے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ عبد الودود قریشی اپنے کالموں میں انتہائی سادہ اور آسان الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جن کے موضوع کو پڑھ کر ایک عام آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کالم میں کس طرح سے اور کن حقائق پر بات کی جارہی ہوگی۔ انہوں نے مسلمانوں کو ان کے ماضی کے حوالے دے کر اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ آزاد اقوام کی پہچان کیا ہوتی ہے اور آزادی کس طرح سے حاصل ہوئی؟ آپ دور حاضر کی عوام کی توجہ اس جانب مبذول کرواتے ہیں کہ کس طرح ہمارے بزرگوں نے اپنی جان ومال، عزت اور آبرو تک کا نذرانہ پیش کر کے ایک آزاد ریاست صرف ایک آزاد زندگی بسر کرنے کے لئے حاصل کی تھی ایک آزاد ریاست اس لئے حاصل کی تھی کہ اس ریاست میں ہر انسان کو مساوی حق دیا جاسکے حالانکہ اس وقت بھی معاشرے کے اندر لوگوں کے لئے پریشانیاں، غربت اور مسائل تھے لیکن اس وقت ان مسائل کا حل لوگوں نے باہمی محبت اور اتفاق سے تلاش کیا تھا۔ ہمارے لیڈروں نے بہت ساری قربانیاں دی تھیں اور تب ہی ایک الگ ریاست ہمیں نصیب ہوئی تھی لیکن افسوس کہ آج ہمارے پاس ایک الگ ریاست تو ہے لیکن اس میں جینے والے انسان آزاد نہیں ہیں۔ آج کے معاشرے میں جتنا زیادہ عمل دخل رشوت، بدعنوانی اور کرپشن کا ہے اتنے ہی لوگ سست، نکمے اور کاہل ہوتے جارہے ہیں۔ آج کا معاشرہ ان تمام اخلاقی اقدار سے عاری ہے کہ جن کو اپناتے ہوئے کوئی بھی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ عبد الودود قریشی اپنی توجہ مبذول کرواتے ہیں کہ ہماری عوام کے دور حاضر کے حالات اس قدر برے ہیں کہ عوام اپنی روایات کو چھوڑ کر مغرب کی خصلتیں اپنا چکی ہے اور مغربی روایات کے پیچھے چل رہی ہے۔ معاشرے میں موجود تمام برائیوں کے باوجود بھی آپ ہمت نہیں ہارتے بلکہ ان تمام برائیوں کو اجاگر کر کے لوگوں کے سامنے لانے کی کوشش کرتے ہوئے ایک اچھے اور نامور کالم نگار، صحافی اور مصنف ہونے کے طور پر اپنی ایک الگ پہچان بناتے ہیں کیونکہ جس انسان کا بھی تعلق لا الہ الا اللہ یعنی اللہ ایک ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں اس بات پر ہے وہ انسان کبھی بھی مایوس نہیں ہو سکتا۔ جس انسان کا تعلق قرآن مجید کی تعلیمات سے ہے وہ انسان ان تعلیمات سے ضرور مستفید ہوتا ہے۔ عبد الودود قریشی نے عوام کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ایک الگ ریاست اس لیے حاصل کی گئی تھی کہ اس ریاست میں خدا کے دین کو، خدا کی مرضی کے مطابق پھیلایا جائے اور اس پر عمل پیرا کیا جاسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بتایا ہے کہ کسی بھی ملک کے بادشاہ یا حکمران میں کیا کیا خصوصیات ہونی چاہیے؟ لیکن افسوس کہ

آج کے حکمران کسی بھی خوبیوں سے عاری، عوام کی فکر سے عاری صرف اور صرف سیٹ حاصل کرنے کے لیے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ کسی کے لیے بھی عوام کی زندگی یا ملک کی فلاح ضروری نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے کالموں میں معاشرے کے تلخ حقائق بیان کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں موجود لوگوں کی اصلاح کی بھی کوشش کی ہے کہ لوگوں کو اچھے اور برے کی تمیز اور اپنے آباءو اجداد کی روایات اور اصولوں کو اپنا کر کس طرح زندگی گزاری جاسکتی ہے، کے بارے میں بتایا ہے۔ ان کا ایک موضوع سماج ہے اور معاشرے میں موجود بیماریوں کا ذکر انہوں نے بہت خوبصورت اور منفرد طریقے سے کیا ہے کہ اس طرح اس انفرادیت سے کسی اور نے اس موضوع پر نہیں لکھا۔ انہوں نے معاشرے میں موجود برائیوں کے ساتھ ساتھ معاشرے میں موجود ڈر اور خوف کے عوامل کو بھی قلم بند کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ معاشرے کے اندر کسی بھی معاشرے کی نسل کی پرورش اس معاشرے میں موجود سکولوں اور درسگاہوں سے ہوتی ہے اور وہیں سے پرورش پانے والے بچے ملک کا مستقبل ہوتے ہیں۔ اگر یہی جگہیں محفوظ نہیں ہوں گئیں تو ملک کا مستقبل بھی محفوظ نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ یہ بتاتے ہیں کہ معاشرے کی ترقی اکٹھے اور ملکر رہنے اور کام کرنے میں ہے۔ کوئی بھی شخص انفرادی طور پر معاشرے کو آگے نہیں بڑھا سکتا جب تک کہ اس معاشرے میں موجود تمام لوگ اپنی کوششیں شامل نہ کریں۔ کسی بھی معاشرے میں موجود لوگ ایک دوسرے کی ہنسی، خوشی، دکھ، درد اور تکلیف کے ساتھی ہوتے ہیں۔ معاشرے میں موجود افراد ہی معاشرے کی ترقی کا باعث ہوتے ہیں ایک معاشرے کو دوسرے سے ملانے کا سبب بنتے ہیں جس سے ترقی کی نئی منازل کی طرف سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ عبدالودود قریشی بھی معاشرے کی ترقی اور فلاح کا ذمہ دار اس معاشرے میں تہذیب و تمدن اور علم کو قرار دیتے ہیں۔ تعلیم ہی کسی بھی معاشرے کی کامیابی کی ضامن ہوتی ہے لیکن افسوس کہ ہمارے معاشرے میں ہمارے حکمران تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے بھی صرف ڈگری ہولڈر کا کردار ادا کر رہے ہیں وہ نہ تو اپنی تعلیم سے مستفید ہو رہے ہیں اور نہ ہی اس تعلیم سے کسی اور کو مستفید کروانے کی کوشش کرتے ہیں اپنے علم سے مستفید ہونے کی بجائے اپنے پاس موجود مال ومتاع پر فخر کرتے ہیں۔ یہ اپنے کالموں میں اپنے معاشرے کے لوگوں کو تعلیم و تربیت صرف حاصل کرنے کی تلقین نہیں کرتے بلکہ اس تعلیم و تربیت کو حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کی بھی تلقین کرتے ہیں تاکہ اسی حاصل کردہ تعلیم پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کی مشکلات کو سمجھا جائے، انہیں حل کرنے کی کوشش کی جائے اور اپنے معاشرے کو

مسائل سے نکالا جاسکے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کی وہ اپنی تحریروں کو اس طرح سے پیش کرتے ہیں کہ اس میں دلچسپی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے جس کی بدولت قاری اس پوری تحریر کو پڑھنے میں خود کو مجبور ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں تاریخی واقعات کو دور حاضر سے جوڑنے کے کوشش کی ہے اور عوام کو تلقین کی ہے کہ کسطرح تمام مشکلات کے باوجود بھی ہمارے بزرگوں نے اپنی محنت اور لگن ترک نہیں کی تھی جس کی بدولت آخر کار انھوں نے کامیابی حاصل کی تھی۔ دور حاضر میں بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ اپنے آباءو اجداد کی کامیابیوں، ان کی محنت اور انتھک کوششوں سے سیکھا جائے اور صرف سیکھا ہی نہ جائے بلکہ اسے استعمال کرتے ہوئے اپنے معاشرے کو بھی ترقی کی راہ پر گامزن کیا جاسکے۔ آپ یہ بھی باور کرواتے ہیں کہ ہر انسان کو اپنے ہنر کو تعلیم سے مذید بہتر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ انہوں نے اپنے کالموں میں انسان کو سب سے زیادہ اہم قرار دیا ہے اور دین اسلام کے مطابق انسان ہی اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعے معاشرے کی ترقی کا واحد ذریعہ ہے۔ انہوں نے اپنے کالموں کے ذریعے عوام کو اپنے بزرگوں کی رسم و روایات سے جڑے رہنے کی تلقین کی ہے۔ ان کی ایک اچھائی یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے کالموں میں جہاں ایک طرف معاشرے میں روایات کے کھونے کا ذکر کیا ہے وہیں دوسری طرف ماضی کی روایات کی طرف اشارہ دیتے ہوئے ان روایات کو اپنانے اور سیکھنے کا بھی درس دیتے ہیں۔ کسی بھی اسلامی ریاست میں نظام اسلام کو نافذ کرانا اس ریاست کے حکمران کی ذمہ داری ہوتی ہے کوئی بھی حکمران کسی بھی نشست پر ہے تو یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنے فرائض کو احسن طریقے سے ادا کرے۔ عبدالودود قریشی نے اپنی سوچ کا زاویہ اس طرف موڑنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی بھی انسان خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو یا کسی بھی ریاست کا سربراہ ہو اگر وہ انسان اپنے فرائض کو پوری ایمانداری سے ادا کرے گا تو تب ہی اس معاشرے کی ترقی ممکن ہے لیکن آپ ان تمام خصوصیات کو ہمارے معاشرے میں ناپید پاتے ہیں کیونکہ ہمارے معاشرے میں کوئی لیڈر چاہے کتنا ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو ترقی صرف اور صرف اپنی دولت کے بل بوتے پر کرتا ہے باقی پورا معاشرہ اس دولت کے کھیل میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہا ہوتا ہے۔ یہ سیاست کو ہر طرف سے شفاف اور صاف دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عبدالودود کے مطابق حکمران کا تعلق کسی بھی ملک میں بدامنی اور رشوت سے پاک نظام متعارف کروانے میں اہم ہوتا ہے۔ جب کوئی بھی حکمران یا سربراہ اپنا کردار نبھاتا ہے تب ہی اس ملک و معاشرے میں نظام بھی بہتر ہوتا ہے اور وہ ملک و معاشرہ ترقی بھی کر سکتا ہے۔ انہوں

نے زندگی کے ہر پہلو پر توجہ دلا کر انسان کی رہنمائی کی کوشش کی ہے ان کے مطابق فرد واحد سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ کسی بھی معاشرے میں ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرے کے تمام لوگ مل جل کر محنت کریں اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے معاشرے کی اقدار و روایات کو بھی مد نظر رکھیں۔ معاشرے میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرے کے قدرتی وسائل کو بروئے کار لایا جائے ان قدرتی وسائل سے مستفید ہو کر ہی کوئی بھی معاشرہ آگے بڑھ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عبدالودود ملک و معاشرے کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ درسگاہوں، تعلیمی اداروں میں تحفظ کی کمی کو بھی گردانتے ہیں۔ ان کے مطابق جب وہ جگہیں جہاں اس ملک کے مستقبل نے پروان چڑھنا ہے وہ جگہیں ہی محفوظ نہیں ہوں گی تو پھر کس طرح اس ملک کو سنبھالنے والی ہماری نئی نسل خود مختار اور بااعتماد ہو گی۔ کسی بھی معاشرے میں ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاشرہ تعلیم یافتہ ہو۔ عبدالودود نے اپنے کالموں میں معاشرتی طور پر سدھار لانے کی تلقین کی ہے کیونکہ ان کے مطابق کسی بھی معاشرے میں جنم لینے والے عوامل پہلے اس معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس کے اثرات باقی جگہوں پر نظر آتے ہیں۔ ہر عہد اپنے ساتھ کچھ اچھے اور برے اثرات لے کر آتا ہے جو کہ حالات و واقعات کے مطابق اپنا رخ تبدیل کرتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے کی معیشت وہاں کے سیاسی اور اقتصادی حالات پر منحصر ہوتی ہے لیکن ہمارے ملک میں ترقی کی راہ کی بڑی رکاوٹ ملک میں درپیش دہشت گردی کے واقعات بھی ہیں جو کہ ملک کی ترقی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ عبدالودود قریشی نے انتہائی سادہ الفاظ کا چناؤ کرتے ہوئے صرف ایک فرد کی نہیں بلکہ پورے معاشرے میں موجود خواہ وہ کوئی بھی انسان ہو، خواہ کوئی لیڈر ہو یا عام انسان، انسانوں کی برائیوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے ہر فرد کی منفی سوچ کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے ہر فرد کے منفی کردار کو بیان کی ہے خواہ وہ کاہلی و سستی ہو یا پھر خوف و ہراس جو کہ ہر انسان میں حالات کے مطابق پیدا ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے کالموں میں انسان کو اپنے ماضی میں بزرگوں کی قربانیوں سے سیکھنے کی تلقین کی ہے کہ ماضی میں بھی مشکلات تھیں لیکن ہمارے آباؤاجداد نے مشکلات کو حرف آخر سمجھ کر اپنی جدوجہد کو چھوڑا نہیں تھا بلکہ اپنی محنت اور لگن کے بل بوتے پر تمام مشکلات کو پاؤں تلے روند کر ایک الگ ریاست حاصل کی تھی۔ یہ آج کے دور کے انسان میں بھی وہی تمام خوبیاں دیکھنا چاہتے ہیں جو کہ ہمارے آباؤاجداد میں تھیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آج کے دور میں کس طرح غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر ہوتا جارہا ہے غریب کس طرح ایک ایک روٹی کے نوالے کو

ترستا ہے اور امیر کس طرح دولت کی ریل پیل میں کھیلتا ہے۔ عبدالودود کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے معاشرے میں موجود ہر قسم کی برائی کو قلم بند کیا ہے خواہ وہ امیر طبقے سے تعلق رکھتی ہو یا غریب طبقے سے، خواہ وہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر، انہوں نے عوام میں یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ اپنے حق کے لیے خود ہی آواز اٹھائیں۔

"خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال اپنی حالت کے آپ بدلنے کا"

انہوں نے ملک میں موجود ہر ادارے میں ہونے والے حالات وواقعات سے عام آدمی کو آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عام آدمی کو بھی بتانا چاہا ہے کہ ہر انسان کے علم میں یہ بات رہے کہ اس کے ملک میں موجود ہر طبقہ خواہ وہ چھوٹا ہے یا بڑا، اپنے اندر بہت سی خوبیاں و خامیاں سموئے ہوئے ہے۔ ہر انسان اپنا ہنر استعمال کرتے ہوئے معاشرے میں کیسا کردار ادا کر سکتا ہے اور خود اپنی صلاحیتوں سے کیسے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ انہوں نے ملک میں ہونے والے تعمیراتی کاموں پر داد بھی دی ہے لیکن اس کے ساتھ جہاں کچھ منفی پہلو ہیں تو انھیں بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ امیر طبقہ کسطرح زندگی کی دوڑ میں ہر مقام پر اپنی دولت کا سہارا لیتے ہوئے آگے نکل جاتا ہے اور غریب ظلم سہنے پر مجبور ہے۔ یہ معاشرے میں موجود ایسی ہی بری سوچ کے خلاف آواز اٹھانے کی تجویز دیتے ہیں اور ایسے بے حس لوگوں پر اپنے قلم کی آواز بلند کرتے ہیں۔ اپنے کالموں میں دور حاضر کی سیاست اور جس وقت پاکستان قیام میں آیا اس وقت کی سیاست سے موازنہ کرتے ہیں کہ اس وقت کی سیاست میں کیا خوبیاں تھیں اور آج کی سیاست کہاں ہے؟ اسلامی نقطہء نظر سے دیکھیں تو اسلام بھی برابری، عدل و مساوات کا درس دیتا ہے لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہ یہ تمام خصوصیات آج کی سیاست کا حصہ نہیں رہیں۔ انہوں نے موجودہ اور ماضی کے حکمرانوں کا موازنہ کرتے ہوئے بتایا کس طرح ماضی کا حکمران اپنی عوام کی فلاح و ترقی کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا اور ہر میدان میں اپنی عوام کے لیے کود پڑتا تھا لیکن آج کا سیاست دان اگر میدان میں آتا بھی ہے تو فقط اپنے لیے۔ اپنی ذات کی ترقی، اپنے بینک بیلنس بڑھانے کے لیے، نہ کہ عوام کی بہتری کے لیے۔ اس کے ساتھ یہ اپنے کالموں میں اپنے ملک اور بیرون ملک کے حکمرانوں کا موازنہ کرتے ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ دوسرے

ممالک کے حکمرانوں میں جو خلوص اور نیک نیتی پائی جاتی ہے وہ ہمارے حکمرانوں میں ناپید ہے۔ انہوں نے علمی میدان میں صدق دل کے ساتھ انسان کو یہ مشورہ دیا کہ وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالنا ہی وقت کی ضرورت ہے۔ اگر آپ وقت کے ساتھ خود کو نہیں بدلیں گے تو وقت آپ کو روند کر گزر جائے گا۔ تعلیم ہی وہ زیور ہے جس سے آراستہ ہو کر خود بھی اور اپنے ملک کو بھی آگہی اور شعور دیا جاسکتا ہے اور ترقی کی راہ پر لایا جاسکتا ہے۔ تعلیم ہی کے ذریعے انسان اپنی ذات پر ہونے والے کسی بھی قسم کے ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھا سکتا ہے۔ ان کے مطابق جمہوریت کا نعرہ تو ہر پارٹی لگاتی ہے لیکن افسوس آج ہمارے معاشرے میں ملک کی غریب عوام شاید جمہوریت لفظ کے معنی تک سے ناواقف ہے۔ عام آدمی انہیں حکمرانوں کے نعروں سے متاثر ہو کر غلط انسان کو اپنے لئے سربراہ چن لیتے ہیں۔ عبدالودود قریشی کے اسلوب کی بات کی جائے تو انہوں نے انتہائی عام اور سادہ الفاظ میں زندگی کے ہر پہلو پر اپنا نقطہ ءفکر دیا ہے اور ان کی تحریر پڑھ کر پڑھنے والے کو یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید یہ حالات جو بیان کیے جارہے ہیں یہ اسی کی آپ بیتی ہے۔ ان کے اسلوب میں دلچسپی، گہرائی اور انفرادیت کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کالموں میں جذبے اور احساس کا ایسا عنصر پیدا کیا ہے کہ جس کو پڑھنے والا پڑھتے ہوئے ان احساسات و جذبات کو خود سے منسلک کرتا ہے اور تحریر کی گہرائی میں اتر جاتا ہے۔ انہوں نے حالانکہ عام اور سادہ الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن جہاں ایک طرف انہوں نے معاشرے میں موجود برائیوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ کس طرح دور حاضر میں انسان خود پر گزرنے والے واقعات کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر خاموش ہو بیٹھا ہے اور خود کو بے بس سمجھنے لگا ہے۔ اپنی انہیں تحریر کے ذریعے عبدالودود نے انسان کے مردہ ضمیر کو جگانے کی کوشش کی ہے۔ معاشرے میں گزرنے والے واقعات و حالات کو من و عن اپنی تحریروں میں بیان کرتے ہیں کہیں جھوٹ کا سہارا نہیں لیا۔ صحافت کا بنیادی اصول ہے کہ صحافی کو چاہیے کہ وہ اپنے الفاظ انتہائی سادہ طریقے سے عوام تک پہنچائے لیکن ان الفاظ اور ان باتوں میں سچائی کا عنصر نمایاں ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ عبدالودود قریشی نے نثر میں اردو صحافت کو ایک نئے نام و مقام سے روشناس کرایا تو یہ غلط نہ ہوگا۔ انہوں نے اپنے کالم قابل ذکر، کالموں کا مجموعہ اور روزنامہ ایشین نیوز کے ذریعے معاشرے کے تلخ حقائق سے عوام کو آگاہی فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اپنے کالموں میں جابجا معاشرے کی روایات اور اخلاقیات سے دوری کو بیان کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے عام اور سادہ الفاظ ہی استعمال کیے ہیں لیکن انہوں نے اپنی تحریروں میں

دلکشی وانفرادیت کو اولیت دی۔ ان کے کالم گزرنے والے حالات کا گہرا اور تنقیدی جائزہ لیتے ہیں اور موجودہ حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کالموں میں دور حاضر کے انسان کو احساسات وجذبات سے مبرا پایا ہے۔ آج کا انسان دولت اور پیسے کی ریل پیل سے متاثر ہو کر اپنی روایات، تہذیب وتمدن اور اقدار سب کچھ بھول چکا ہے۔ انہوں نے موجودہ عہد کے حالات پر نظر ثانی کی ہے اور انسان کے مردہ ضمیروں کو بھی جگانے کی کوشش کی ہے۔

۲) نتائج

عبدالودود قریشی کی کالم نگاری کے حوالے سے اپنی اس تحقیق میں، میں نے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے ہیں:

۱) اردو کالم نگاری کا آغاز انیسویں صدی کے وسط میں ہو گیا تھا تاہم اس کی بہت واضح شکل بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں سامنے آئی۔ ہر آنے والے دن میں کالم نگاری میں نکھار آتا گیا۔ آغاز میں اسے لکھنے والے اپنے دور کے عظیم ادباء وشعراء تھے۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالمجید سالک، مولانا چراغ حسن حسرت وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا ادبی، صحافتی، سیاسی اور سماجی مرتبہ اتنا بلند تھا کہ لوگ ان کی بات نہ صرف سننا اور پڑھنا چاہتے تھے بلکہ ان کی باتوں کا گہرا اثر بھی لیتے تھے۔

۲) کالم نگار معاشرے کے مسائل کی عکاسی کرتے ہوئے عوامی زبان اور سوچ کو سامنے لاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کالم میں حق اور سچ کا بول بالا کریں چاہے وہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو۔ کالم نگار ہمیشہ صحافت کے تقدس اور قلم کی حرمت کا خیال رکھتے ہیں اور محبت، انصاف، رواداری اور امن کا پیغام دیتے ہیں۔

۳) عبدالودود قریشی کے کالموں کے فکری موضوعات میں سیاسی وسماجی، تاریخی، علمی وادبی، اور حالات حاضرہ سے متعلق موضوعات شامل ہیں ۔ آپ معاشرے میں ہونے والے مسائل، جمہوریت،

سیاست، عام آدمی کی زندگی، رشوت، کرپشن، بد عنوانی و سیاسی جھگڑے، اور آزادی سے جڑے انسانوں کی ذمہ داریوں جیسے موضوعات پر اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں۔

۴) ڈاکٹر عبدالودود قریشی کی کالم نگاری کے فنی محاسن میں ادبی زبان،، فصاحت وبلاغت، جامعیت، دلچسپی کا عنصر اور اختصار پسندی شامل ہیں۔

۵) ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالم سادہ، عام فہم اور پر کشش الفاظ کی بدولت معاشرے میں انفرادی مقام رکھتے ہیں۔ ان کی تحریروں سے معاشرے میں موجود ہر فرد مستفید ہو سکتا ہے۔ ان کے کالموں کی زبان انتہائی آسان اور عام فہم ہونے کی بناء پر قاری کی جستجو اور دلچسپی بڑھاتی ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کو مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے کالموں میں منفرد اظہار، تازگی ولذت کا احساس اور زبان میں ادبی چاشنی جھلکتی ہے۔

۶) زبان و بیان کے اعتبار سے ڈاکٹر عبدالودود قریشی کے کالموں میں روزمرہ و محاورات، ضرب المثال، سلاست روی، اور فنی بالیدگی کا بھرپور تاثر قائم کرتی ہیں۔

۷) عبدالودود قریشی نے متفرق ادبی خدمات (موضوعات) کے ذریعے قاری کو اردو ادب کی کئی جہات سے روشناس کروایا ہے نیز انہیں فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

۳) سفارشات

۱) عبدالودود قریشی کے کالموں کا مختلف کالم نگاروں کے کالموں کے ساتھ موازنہ کر کے تحقیق کی جاسکتی ہے۔

۲) عبدالودود قریشی نے وسیع موضوعات پر کالم لکھے ہیں جیسے معاشی، معاشرتی، سیاسی، علمی و ادبی، تاریخی، حالات حاضرہ اور بھی کئی طرح کے موضوعات ان پر بھی ایک الگ طریقے سے جائزہ لے کر تحقیق کی جاسکتی ہے۔

۳) عبدالودود قریشی چونکہ دور حاضر کے نامور صحافی، تجزیہ کار اور کالم نگار ہیں آپ اپنے کالموں میں دور حاضر سے متعلق گہرائی سے بات کرتے ہیں۔ آنے والے وقت کے لئے اچھالائحہ عمل ترتیب دینے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے لکھے جانے والے موضوعات پر تحقیق کی جائے۔

۴) عبدالودود قریشی اپنے کالموں میں حکمرانوں اور سیاست کا معاشرتی زندگی پر اثرات کے حوالے سے کھل کر بات کرتے ہیں ضروری ہے کہ اس موضوع پر تحقیق کی جائے کہ کس طرح حکمرانوں کے رویے اور سیاست کا معاشرے پر اثر ہوتا ہے۔

۵) عبدالودود قریشی کے کالم منفرد موضوعات کے حامل ہوتے ہیں اور اسی انفرادیت کی بناء پر ان کے کالم قاری کے لئے دلچسپی کے حامل ہیں۔ آپ کے موضوعات میں پنہاں مقاصد کو قارئین تک پہنچانا ضروری ہے جس کے لیے مذید گہرائی سے تحقیق کی ضرورت ہے۔

کتابیات

بنیادی ماخذ

۱۔عبدالودود قریشی، قابل ذکر (کالموں کا مجموعہ)، خالد بک ڈپو، اردو بازار، لاہور، نومبر ۱۹۹۴ء

۲۔روزنامہ "ایشین نیوز" ۲۹ جنوری ۲۰۱۹ تا ۲۰ فروری ۲۰۲۰

ثانوی ماخذ

۱-امام اعظم، ڈاکٹر، اکیسویں صدی میں اردو صحافت، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۶ء

۲-امداد صابری، مولانا، تاریخ صحافت اردو (جلد اول)، جدید پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۶۷ء

۳-انور علی دہلوی (مرتب)، اردو صحافت، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۸۷ء

۴-جاوید چودھری، زیرو پوائنٹ، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۹ء

۵-رحم علی الہاشمی، چودھری، فن صحافت، انجمن ترقی اردو ہندی، دہلی، ۱۹۴۳ء

۶-سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی (۶)، ۲۰۰۰ء

۷- شفیق جالندھر، ڈاکٹر، اردو کالم نویسی، اے ون، پبلشرز، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۳ء

۸- شفیق جالندھری، ڈاکٹر، صحافت اور ابلاغ، علی اعجاز پرنٹرز، ریٹی گن روڈ، لاہور، ۲۰۰۸ء

۹- محمد اسلم ڈوگر، فیچر کالم اور تبصرہ، گرین لائن پرنٹرز، ائی ٹن مرکز، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء

لغات

فیروز اللغات اردو جدید، فیروز سنز لیمیٹیڈ، لاہور

انٹرویو

عبدالودود قریشی، (انٹرویو) از شمسہ کنول، اسلام آباد، ۱۵ اپریل ۲۰۲۲

ضمائم

انٹرویو

۱۵ اپریل ۲۰۲۲ء کا دن میری تحقیق میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے ڈاکٹر عبد الودود قریشی صاحب سے تحقیق کے سلسلے میں کچھ سوالات کیے تو انھوں نے کمال مہربانی کرتے ہوئے مجھے مذکورہ دن ۱۱ بجے، اسلام آباد G-13/2 میں واقع اپنے نو تعمیر شدہ گھر میں ملاقات کے لیے بلا لیا۔ میں مقررہ وقت پر ان کے پاس موجود تھی۔ تین گھنٹوں سے زیادہ جاری رہنے والی اس یادگار ملاقات میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی اور اپنی کالم نگاری کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کیں۔ بیگم عبد الودود قریشی نے بھی میرے پوچھے گئے سوالات کے شفقت بھرے انداز میں جواب دیئے۔

مقالہ نگار: اسلام علیکم سر! کیسے مزاج ہیں؟

ڈاکٹر عبد الودود قریشی: وعلیکم السلام! اللہ پاک کا شکر ہے۔

مقالہ نگار: کتنے عرصے سے ملک کے قومی اخبارات سے منسلک ہیں؟

عبد الودود قریشی: تقریباً ۴۴ سال سے ملک کے قومی اخبارات سے منسلک ہوں۔

مقالہ نگار: اردو کالم کب اور کس اخبار سے لکھنے شروع کیے؟

عبد الودود قریشی: کالج سے فراغت کے بعد صحافت کو پیشہ اپناتے ہوئے ۱۲ جنوری ۱۹۷۸ء کو ہفت روزہ روش راولپنڈی بطور ایڈیشنل پبلشر شائع کیا۔

مقالہ نگار: سرکاری ملازمت کی ہے؟

ڈاکٹر عبد الودود قریشی: جی ہاں! مشیر حکومت صوبہ سرحد ممبر سی پی این ای ڈیفنس کا ایڈیشنل چیف وارڈن رہا ہوں۔

مقالہ نگار: عملی اور پیشہ وارانہ زندگی کا آغاز کہاں سے کیا؟

عبد الودود قریشی: عملی اور پیشہ وارانہ زندگی کا آغاز صحافت کے شعبے سے کیا۔ روزنامہ تعمیر راولپنڈی میں کئی سال بطور چیف رپورٹر رہا۔ روزنامہ مرکز کا چیف رپورٹر اور اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی رہا ہوں۔ راولپنڈی شہر کی تنظیم شہری دفاع کا ڈپٹی چیف وارڈن اور صدر مرکزی انجمن شہریاں راولپنڈی رہا ہوں۔

مقالہ نگار: کس اخبار میں کالم لکھتے رہے ہیں اور کس نوعیت کے؟

عبد الودود قریشی: روزنامہ تعمیر، روزنامہ خبریں کا ریذیڈنٹ ایڈیٹر، روزنامہ پاکستان اسلام آباد کا گروپ ایڈیٹر، روزنامہ جناح کا بانی ایڈیٹر، ہفت روزہ روش اور ادراک نو کا ایڈیٹر اور روزنامہ نئی بات کا ریذیڈنٹ ایڈیٹر رہا ہوں۔

زیادہ تر عنوانات ملکی حالات، عالمی معاملات، سماجی امور اور معاشی مسائل پر مبنی ہوتے ہیں۔ قابل ذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ روزنامہ ایشین نیوز اور ادراک نو میں اب بھی میرے کالم شائع ہوتے ہیں۔

مقالہ نگار: اب تک آپ کی کون سی تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں؟

عبد الودود قریشی: میری تصانیف میں "جیل کے واقعات" (جو کہ میرے مشاہدات کا نچوڑ ہے)، "قابل ذکر" (کالموں کا مجموعہ)، "حج عالم"، "انشاء پردازی اور نسیم حجازی"، "قندیل فکر"، "قومیت کی تشکیل" اور اصلاح تلفظ شامل ہیں.

مقالہ نگار: آپ کے کالموں کا پسندیدہ ترین موضوع کون سا ہے؟

عبد الودود قریشی: سیاست پر زیادہ شوق سے لکھتا ہوں۔ سیاست، جمہوریت، ملکی حالات، سماجی امور اور عالمی معاملات پسندیدہ ترین موضوعات ہیں۔

مقالہ نگار: آپ کے کالموں کے فکری موضوعات کی نوعیت کیا ہے؟

عبد الودود قریشی: کالموں کے فکری موضوعات میں سیاسی اور سماجی، تاریخی، علمی و ادبی اور حالات حاضرہ سے متعلق موضوعات شامل ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں ہونے والے مسائل، جمہوریت، سیاست، عام آدمی کی زندگی، سماجی امور، ملکی حالات اور عالمی معاملات پر مبنی موضوعات ہوتے ہیں۔

مقالہ نگار: آپ کی کالم نگاری کے فنی محاسن کیا ہیں؟

عبد الودود قریشی: فنی محاسن میں ادبی زبان، فصاحت و بلاغت، جامعیت، دلچسپی کا عنصر اور اختصار پسندی شامل ہیں۔ تحریروں میں موجود اسلوب قارئین کی دلچسپی کا عنصر ہے۔ آسان انداز اور الفاظ میں کھری اور سچی بات کہتا ہوں۔ میری تحریروں کا مقصد قارئین کے ذہنی افق کو وسیع تر کرنا ہے، عمدہ نثر اور متن کے انداز بیاں کی بدولت تحریروں کو منفرد بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔

مقالہ نگار: آپ کے کالموں کی انفرادیت اور ادبی حیثیت کیا ہے؟

عبد الودود قریشی: آسان اور عام فہم زبان، عوامی دلچسپی، روزمرہ زندگی سے متعلقہ موضوعات، مختصر اور جامع انداز میں لکھے جانے والے کالم عوامی سطح پر پسندیدگی کا باعث بنتے ہیں۔ میری تحریروں کی بدولت معاشرے میں موجود ہر فرد مستفید ہو سکتا ہے۔

مقالہ نگار: کیا آپ کو کالم نگاری میں موضوعات پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا؟

عبد الودود قریشی: موضوعات پر زیادہ تنقید کا سامنا کرنا پڑا اور جب کبھی تھوڑا بہت تنقید کا سامنا کیا بھی تو خندہ پیشانی کے ساتھ اور دلائل کے ساتھ اس کا جواب بھی دیا۔

مقالہ نگار: برصغیر میں کالم نگاری کی جو روایت رہی آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہمارے کالم نگار اس روایت کو لے کر چل رہے ہیں؟

عبد الودود قریشی: کالم نگاری کی اصل روح کے مطابق آج کل عمل نہیں کیا جاتا۔ آج کے کالم نگار کالم نگاری کی روایت کے مطابق نہیں چل رہے ہیں بلکہ موجودہ دور کے کالم نگار مضمون نگاری کو کالم سمجھ رہے ہیں۔

مقالہ نگار: آج کل اخبارات میں جو کالم چھپ رہے ہیں کیا آپ ان کے معیار سے مطمئن ہیں؟

عبد الودود قریشی: آج کل اخبارات میں جو کالم چھپ رہے ہیں وہ کالم، کالم نہیں ہیں۔ کالم کی جو اصل روح ہے اس میں کسی ایک موضوع کو بیان کرنا پھر اس کی غرض وغایت میں اپنا تجربہ اور علم شامل کر کے اس کی حقیقت کو آشکار کرنا ہوتا ہے جس سے آج کے کالم نگار نابلد ہیں بلکہ وہ صرف روائتی انداز سے لکھ رہے ہیں۔

مقالہ نگار: کالم نگار کو کن کن عناصر کو مد نظر رکھنا چاہیے؟

عبد الودود قریشی: ایک کالم نگار کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے موضوع کا تعین کرے پھر تفصیلات بیان کرے جس میں اپنا تجربہ اور علم شامل کرے اور آخر میں اپنی رائے پیش کرے۔

مقالہ نگار: کالم کہاں تک قاری کی رہنمائی یا عالمی سطح میں اضافے کا باعث بنتا ہے؟ اگر نہیں تو کیا کالم آ ج اپنے معیار پر پورا اتر رہا ہے؟

عبد الودود قریشی: کالم آج کے معیار پر نہیں ہیں وہ نہ تو قاری کے علم میں اضافہ کرتے ہیں اور نہ ہی کالم نگار خود اس موضوع کی تہہ تک پہنچ پاتے ہیں جس موضوع کو کالم بنانا چاہتے ہیں بلکہ محض سطحی تبصرہ کر رہے ہوتے ہیں۔

مقالہ نگار: آنے والے نئے کالم نگاروں کو کیا مشورہ دیں گے؟

عبد الودود قریشی: آنے والے نئے کالم نگاروں کے لیے صورتحال یہ ہے کہ وہ جب بھی کالم لکھیں پہلے اس کے بارے میں تحقیق و تفتیش کر لیں کم از کم تاریخ کو دیکھ لیں اور اس کے بعد کالم پر اپنی کوئی رائے دیں۔ ویسے ہی آتی جاتی سطحی گفتگو نہ کریں بلکہ کالم بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے لہذا کالم پر کسی قسم کی تحریر لکھنے سے پہلے، اس کو شروع کرنے سے پہلے اس پر تحقیق و تفتیش ضرور کر لیں اور اس کے مثبت و منفی پہلوؤں پر بھی غور کرنے کے بعد اس کا نفس مضمون طے کریں پھر اس کو پھیلائیں اور پھر اس پر تبصرہ کریں اور اپنے علم اور تجربے کو شامل کر کے حتمی رائے دیں۔

مقالہ نگار: V.Log اور کالم نگاری میں کیا فرق ہے؟

عبد الودود قریشی: آج کل سوشل میڈیا پر جو V.Log بنایا جاتا ہے وہ بھی سطحی ہے اس میں نہ تو حقیقت نگاری ہوتی ہے نہ گہرائی اور نہ ہی نفس مضمون کی اصل وضاحت ہوتی ہے بلکہ محض ریٹنگ حاصل کرنے کے لیے فروغی اور جھوٹی واقعہ نگاری کو مبینہ کہہ کر سامنے لانے کی کوشش کی جاتی ہے بعض اوقات تو ایسی تصاویر اور ویڈیوز شامل کر دی جاتی ہیں جن کا نفس مضمون سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا بعض اوقات تو اس میں فحش تصاویر اور غیر متعلقہ شخص کی تصویر بھی ڈال دی جاتی ہے اور آخر میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تصاویر ہم نے اس لیے شامل کیں ہیں کہ آپ ہمارے V.Log کو آخر تک دیکھیں۔ اسے دھوکے اور فراڈ سے منسوب کیا جاتا ہے اور جس V.Log کی بنیاد ہی جھوٹ اور فراڈ پر ہو اسے کالم سے کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے۔

مقالہ نگار: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ نئی نسل جس بے راہ روی کی طرف جا رہی ہے اس میں نئی نسل سے زیادہ پرانی نسل کا قصور ہے؟

عبد الودود قریشی: جی بالکل نئی نسل جس بے راہ روی کی طرف جا رہی ہے اس میں نئی نسل سے زیادہ پرانی نسل کا قصور ہے کیونکہ کم پڑھے لکھے لوگ اپنی صلاحیت اور اہلیت سے مکمل طور پر فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اخلاقی اقدار سے عاری ہوتے ہیں اور ملک میں ظلم و بربریت اور فساد کا برپا ہونا ہماری نئی نسل کے عقل و شعور پر وہ پردہ ڈال دیتی ہے جس کی بدولت معاشرے کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

مقالہ نگار: کیا ڈاکٹر صاحب ادبی اور صحافتی ذمہ داریوں کے ساتھ گھر کے معاملات میں آپ کی معاونت کرتے ہیں؟

بیگم عبد الودود قریشی: بے تحاشہ صحافتی ذمہ داریوں کے باوجود ڈاکٹر صاحب ہمیشہ گھر کے معاملات میں میری معاونت کرتے ہیں۔ دونوں بیٹوں سے بہت پیار کرتے ہیں اور انھیں بھرپور وقت دیتے ہیں۔ جو ٹائم بچوں اور فیملی کے مختص کر دیں، پھر اس میں کسی اور مصروفیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مقالہ نگار: آپ کے قیمتی وقت اور آراء کا بہت بہت شکریہ۔

عبد الودود قریشی: اللہ پاک آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین

ڈاکٹر عبدالودود قریشی

ڈاکٹر عبدالودود قریشی ۲۰۰۹ء میں صدرِ پاکستان آصف علی زرداری سے

ستارہ امتیاز وصول کرتے ہوئے

ڈاکٹر عبدالودود قریشی چائنہ کے ایک گورنر سے ایوارڈ وصول کرتے ہوئے

PRESS GALLERY

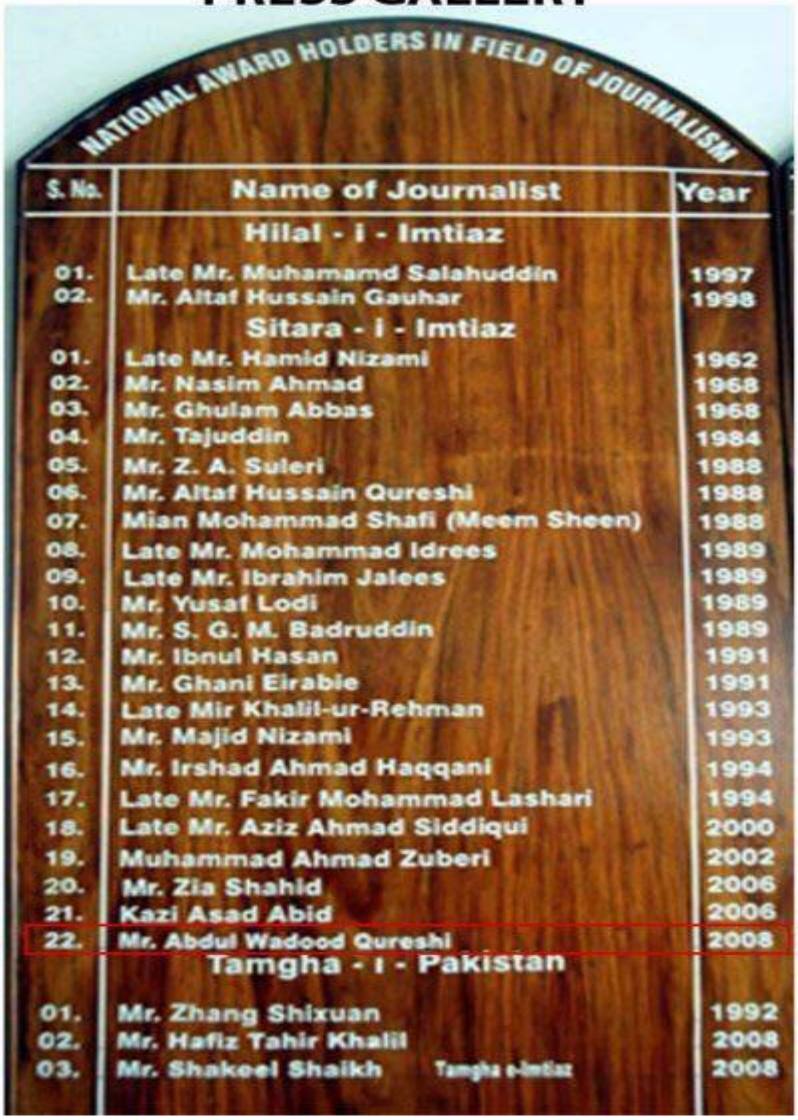
NATIONAL AWARD HOLDERS IN FIELD OF JOURNALISM

S. No.	Name of Journalist	Year
	Hilal - i - Imtiaz	
01.	Late Mr. Muhamamd Salahuddin	1997
02.	Mr. Altaf Hussain Gauhar	1998
	Sitara - i - Imtiaz	
01.	Late Mr. Hamid Nizami	1962
02.	Mr. Nasim Ahmad	1968
03.	Mr. Ghulam Abbas	1968
04.	Mr. Tajuddin	1984
05.	Mr. Z. A. Suleri	1988
06.	Mr. Altaf Hussain Qureshi	1988
07.	Mian Mohammad Shafi (Meem Sheen)	1988
08.	Late Mr. Mohammad Idrees	1989
09.	Late Mr. Ibrahim Jalees	1989
10.	Mr. Yusaf Lodi	1989
11.	Mr. S. G. M. Badruddin	1989
12.	Mr. Ibnul Hasan	1991
13.	Mr. Ghani Eirabie	1991
14.	Late Mir Khalil-ur-Rehman	1993
15.	Mr. Majid Nizami	1993
16.	Mr. Irshad Ahmad Haqqani	1994
17.	Late Mr. Fakir Mohammad Lashari	1994
18.	Late Mr. Aziz Ahmad Siddiqui	2000
19.	Muhammad Ahmad Zuberi	2002
20.	Mr. Zia Shahid	2006
21.	Kazi Asad Abid	2006
22.	Mr. Abdul Wadood Qureshi	2008
	Tamgha - i - Pakistan	
01.	Mr. Zhang Shixuan	1992
02.	Mr. Hafiz Tahir Khalil	2008
03.	Mr. Shakeel Shaikh Tamgha e-Imtiaz	2008

<u>ستارہ امتیاز وصول کرنے والے صحافیوں کی فہرست</u>

ڈاکٹر عبدالودود قریشی مقالہ نگار کو انٹرویو اور اپنی تصانیف دیتے ہوئے

ڈاکٹر عبدالودود قریشی کا کوائف نامہ

BIO-DATA
Dr. ABDUL WADOOD QURESHI
(Sitara-i-Imtiaz)
Journalist, Editor,Author, Columnist, Analyst.

Name	Dr.Abdul Wadood Qureshi
Father's Name	Al-Haaj Abdul Ghafoor
Date of Birth	21st February 1952
Place of Birth	Rawalpindi, Pakistan
Qualification:	M.Ph , Ph.D (NUML).

Author of Books

(i) Jail Ke Waqiat	”جیل کے واقعات“
(ii) Qabil-e-Zikar	”قابل ذکر“
(iii) Haj-e-Alam	”حج عالم“
(iv) Inshapardazi aur Naseem Hijazi	”انشاء پردازی اور نسیم حجازی“
(v) Qandeel-i- Fikar	”قندیل فکر“
(vi) Komiat Ki Tashkeel	”قومیت کی تشکیل“
(vii) Islah-e-Tallafuz	اِصلاحِ تلفُّظ

Experience

Government Services:

- Media Consultant to the Government of NWFP in year 1994.
- Deputy Leader NMW-6 Aug 2014 National Defence University Islamabad.

Experience
Print Media:

- Editor Daily "JINNAH" Islamabad
  17th October 2001 to 21st June 2008.

- Editor Daily “Taza Akhbar” Islamabad
  17th October 2001 to 21st June 2008.
- Resident Editor Daily “Khabrain” Islamabad
  27th November 2006 to 26th May 2007 and
  1st July 2008 to 26th March 2009.
- Group Editor Daily “Pakistan” Islamabad
  4th April 2009 to 31st March 2010.
- Resident Editor Daily “Khabrain” Islamabad
  February 1999 to 15th May 2001.
- Editor Weekly “Rawish” Rawlpindi / Islamabad
  since 12th January 1978 to date.
- Editor Daily Asian News Islamabad / Weekly
  “Idraak-e-Nau” Islamabad 9th April 2010 to
  10th January 2016.
- Deputy Editor Daily “Markaz” for 3 years 1991 to
  1994
- Assistant Editor & Chief Reporter Daily “Tameer"
  (1974-1982).
- Resident Editor Daily “Khabrain” & “Channel 5”
  January 2013 to Dec 2016.
- Resident Editor Daily “Nai Baat” 13th January
  2016 to 2017.
- Resident Editor Daily “Khabrain” Islamabad &
  Peshawar 05th March 2018 to 31st December 2018.
- Editor Daily “Asian News” Islamabad
  January 2019 to date.

Experience in Electronic Media:

- Bureau Chief & Incharge Current Affairs
  “Uni Plus TV” Islamabad August 2002 to
  23rd December 2003.
- Editor special assignments “Channel 5”
  1st July 2008 to 26th March 2009.

Public Services:

- Member Council of Pakistan Newspapers Editors (CPNE)
- Former Member Central Board of Film Censor Government of Pakistan Islamabad.
- Former Member Divisional Accreditation Committee, Director Public Relations,
  Govt. Of Punjab, Rawalpindi.

- N.O.V Adyala Jail Rawalpindi (Appointed by Govt. of Punjab)
- NBF Book Ambassador-2018 and 2019 Govt of Pakistan.
- Member Inspection Team Federal Government Hospitals Monitoring Committee.
- Former Additional Chief Warden Civil Defence Govt. of Punjab Rawalpindi.
- President Markazi Anjuman Shereyan, Rawalpindi / Islamabad.

Sacrifices:

- Appeared in the F.A Exam as a regular student of Gordon College from "C" Division Police Station, Rawalpindi and appeared for Graduation Exam from District Jail Rawalpindi. Being a student leader was arrested seventeen times and confined in District Jail Rawalpindi, Central Jail Peshawar, Central Jail Mianwali and Kot Lakhpat Jail Lahore. Detained three times under section 32 of Defence of Pakistan Rules and also detained three times under section 3 of the West Pakistan Public Order Ordinance of 1960. But never convicted. All cases were withdrawn by the Government and was acquitted with honour.

- Being a journalist was tried by the Military Court on allegation of spreading hatred against the Military Rule, in the form of question to (the then) Chief Martial Law Administrator Punjab Lt. Gen. Ghulam Jillani Khan. The case was still under consideration when the Military Government came to an end, and case met the same fate.

Awards:

- For outstanding services in the field of Journalism, Government of Pakistan decorated with highest civil award, Sitara-i-Imtiaz on 23rd March 2009.
- Winner West Pakistan Civil Defence Governor Challenge Shield in 28 August, 1971.

- Journalist Award Given by Chief Justice of Pakistan Mr. Justice Muhammad Afzal Zula.
- Shield given by Governor NWFP in 1994 during tenure as Media Consultant to the Government of NWFP.
- Gold Medal given by the Akhbar Firoshan through Abbasi News Agency Rawalpindi for contributing towards the Welfare of the Akhbar Firoshan.
- Children Friendly National Newspaper Editor Award 2006 and Rs.20,000/- cash prize given by "Sahil" as Resident Editor Daily "Khabrain" Islamabad on 7th March 2007.
- Children Friendly National Newspaper Editor Award 2006 and Rs.15,000/- cash prize given by "Sahil" as Resident Editor Daily "Jinnah" Islamabad on 17th March 2008.

Foreign Tours:

- Saudi Arabia, Iraq, Jordan, Kuwait, Afghanistan, United Kingdom, Abu Dhabi, Dubai & Doha (Qatar), Sri Lanka, Iran, China, Turkey & India.

Club :

- Member Islamabad Club.
- Life Member National Press Club Islamabad.

Address:

- Appartment No.115 , Tower , A Centaurus , F-8/4 , Islamabad.
- House No. L-522 , Street No. 7,Qasimabad Rawalpindi City.
- Mobile 0333-5170786
- Phone 051-5500786

E-mail: hwqureshi@hotmail.com
Face Book: https://www.facebook.com/abdul.w.qureshi.5
https://www.facebook.com/abdulwadood.qureshi
Facebook page: https://www.facebook.com/drabdulwadoodqureshi
Instagram: https://www.instagram.com/drabdulwadood/
Tweeter: https://twitter.com/drawQureshi